جامعہ عثمانیہ گلشن بلاک لاہور کا ترجمان

نوائے خادم

زیر سرپرستی

ولی کامل، استاذ العلماء والصلحاء

شیخ التفسیر والحدیث

حضرت مولانا

ابو عبید خادم حسین شجاع آبادی صاحب مدظلہ

مہتمم جامعہ ھذا

جمعیت طلباء عثمانیہ

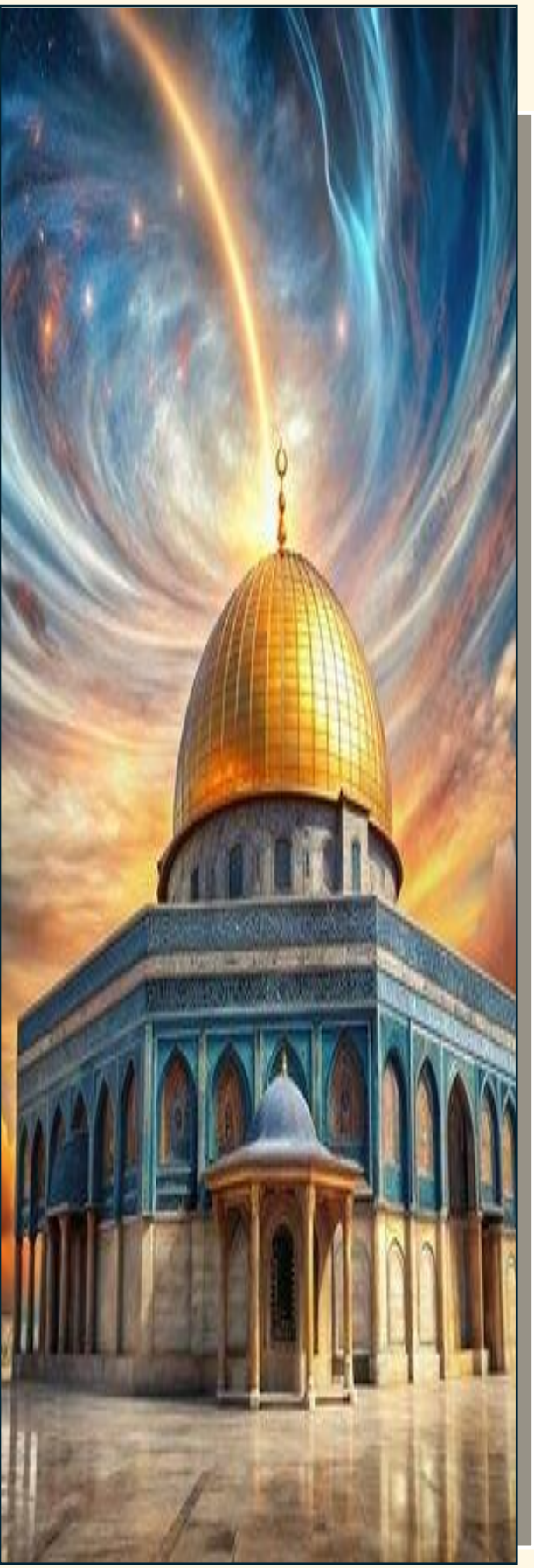

نوائے خادمِ اراکین

بیاد

- مہر احمد بخش مرحوم
- مولانا یسین احمد عثمانیؒ
- مولانا محمد حفظ الرحمن فاروقیؒ

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت مولانا خادم حسین صاحب

دامت برکاتہم العالیہ

زیر نگرانی

- حضرت مولانا احمد قاسمی صاحب
- مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد عبید الرحمن صدیق صاحب

مدیر

مولانا محمد داؤد الرحمن علی صاحب

مدیر معاون

مولانا سہیل نواز عثمانی صاحب

مجلس مشاورت

- مولانا شوکت علی اعوان صاحب
- مولانا محمد اکرم عثمانی صاحب
- مفتی محمد شمس الرحمن عثمان صاحب
- قاری محمد عبید اللہ صاحب
- ڈاکٹر مفتی عتیق الرحمن صاحب
- مولانا عبد اللہ ہزاروی صاحب
- مولانا عمیر نواز صاحب
- ڈاکٹر محمد عثمان غنی صاحب
- قاری محمد اسلام صاحب
- صاحبزادہ حافظ محمد قاسم اسامہ صاحب

اداریہ	04
درس قرآن	09
درس حدیث	11
حمد باری تعالیٰ	13
نعت رسول مقبول ﷺ	14
حضرت یاسر بن عامر رضی اللہ عنہ	15
فضائل رمضان	18
ترکِ سنت اور سنت، اسلام کی عملی رہنمائی	29
خزانہ الٰہی کی کنجی دعا، اور اس کے دندانے لقمہ حلال	34
شذرات علمیہ	37
اہل بیت کون۔۔؟	41
نماز کی اہمیت اور اس کے روحانی فوائد	43
اخلاق اسلامی ایمان کا جزو اور معاشرتی فلاح کا وسیلہ	46
مترادفات القرآن	49
ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا	58
دعا، اللہ کی رحمت کا دروازہ اور انسان کی ضروریات کی تکمیل	63

اداریہ

محمد داؤد الرحمن علی (مدیر مجلہ نوائے خادم)

مملکت خداداد پاکستان اس وقت آفات، مصائب، مشکلات، سیلاب، زلزلے اور مہنگائی کے طوفان میں گھرا ہوا ہے۔ سیلاب سے بہت سے اضلاع متاثر ہو چکے ہیں، بہت سے اضلاع زلزلوں سے کانپ چکے ہیں۔ یہ آفات وبلیات اور مصائب ومشکلات طوفان، آندھی، ہوا کے جھکڑ اور پانی کا سیلاب ساری چیزیں خدا کی قدرت سے ہوا کرتے ہیں، ظاہری اسباب بنانے والے بھی ذات اللہ عزوجل کی ہے، ظاہری اسباب خواہ کچھ ہوں؛ لیکن خدا کی قدرت اور اس کی لا محدود طاقت اس کے پیچھے کارفرما ہوا کرتی ہے، ہوا، آگ، پانی اور مٹی یہ قدرت کی وہ طاقتیں ہیں، جن کے سامنے انسانی عقل گنگ رہ جاتی ہے۔

بہت سے احباب ان حالات کو ''موسمیاتی تبدیلیوں'' سے منسلک کر کے تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا ہی بھول جاتے ہیں کہ تمام چیزیں طوفان اور سیلاب کو اللہ تعالی کی طرف سے تنبیہ یا سزا بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم مسلمان اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ کائنات میں کسی درخت کا ایک پتہ بھی اس کی مرضی کے بغیر حرکت نہیں کرتا؛ اس لیے ہم سب اس کو ''موسمیاتی تبدیلیوں'' میں ڈال کر اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے۔

ہمارے سائنس داں اور ماہرین ان اسباب کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، ہمیں ان کی کسی بات سے انکار نہیں۔ یہاں سوال ذہن میں آتا ہے کہ یہ، سیلاب، طوفان، اور زلزلے اور دیگر آفتیں کیوں آتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ ان کے کچھ ظاہری اسباب بھی تو ہوں گے۔

اسباب کے درجے میں ہم ہر معقول بات پر سر تسلیم خم کرتے ہیں؛ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے گزشتہ اقوام پر آنے والی ان آفتوں، آندھیوں، طوفانوں، زلزلوں، وباؤں، اور سیلابوں کا ذکر ان اقوام پر اللہ تعالی کی ناراضگی کے اظہار کے طور پر

کیاہے اور ان قدرتی آفتوں کو ان قوموں کے لیے خدا کا عذاب قرار دیا ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قیامت سے پہلے اپنی امت میں آنے والی قدرتی آفتوں کا پیش گوئی کے طور پر تذکرہ فرمایا ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے سزا یا تنبیہ کے طور پر ان سب چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔

خیانت:- ''إِذَا اتُّخِذَ الْفَيْئُ دِوَلًا'' جب مالِ غنیمت کو اپنی ذاتی دولت سمجھا جانے لگے۔

''وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا'' امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جانے لگے، یعنی: امانت کو ادا کرنے کی بجائے خود استعمال کر لیا جائے۔

عبادت میں حیلے بہانے:- ''وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا'' زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے، یعنی: خوشی سے دینے کی بجائے ناگواری سے دیا جائے۔

'' وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّينِ'' علم، دین کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے لیے حاصل کیا جانے لگے۔

قطع رحمی و قطع تعلقی: ''وَأَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ'' آدمی اپنی بیوی کی فرماں برداری، ''وَعَقَّ أُمَّهُ'' اور اپنی ماں کی نافرمانی کرنے لگے۔ ''وَأَدْنَى صَدِيقَهُ''، دوست کو قریب، ''وَأَقْصَى أَبَاهُ'' اور باپ کو دور کرنے لگے۔

شعائر اللہ کی توہین: ''وَظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ'' مسجدوں میں کھلم کھلا شور ہونے لگے۔

عہدوں اور مناصب میں بے دینی: ''وَسَادَ الْقَبِيلَةَ فَاسِقُهُمْ'' قوم کی سرداری فاسق کرنے لگے۔

''وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ'' قوم کا سربراہ، قوم کا سب سے ذلیل آدمی بن جائے۔

''وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ'' آدمی کا اکرام اس کے شر سے بچنے کے لیے کیا جانے لگے۔

بے حیائی، فحاشی و عریانی: ''وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ'' گانے والی عورتوں اور ساز و باجے کا رواج ہونے لگے۔ ''وَشُرِبَتِ الْخَمْرُ'' شراب کھلے عام پی جانے لگے۔

عجب و عدمِ اعتماد: ''وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا'' اُمت کے بعد والے لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں۔

''فَارْتَقِبُوا عِنْدَ ذٰلِکَ''(یعنی: جب یہ پندرہ کام ہونے لگ جائیں تو)اُس وقت انتظار کرو، ''رِیحًا حَمْرَاءَ'' سرخ آندھی کا، ''وَزَلْزَلَۃً'' زلزلے کا، ''وَخَسْفًا'' زمین میں دھنس جانے کا، ''وَمَسْخًا'' آدمیوں کی صورت بگڑ جانے کا، ''وَقَذْفًا'' اور آسمان سے پتھروں کے برسنے کا، ''وَآیَاتٍ تَتَابَعُ کَنِظَامٍ قُطِعَ سِلْکُہٗ فَتَتَابَعَ''، اور ایسے ہی مسلسل آفات اور بلاؤں کے آنے کا انتظار کرو جس طرح کسی ہار کا دھاگا ٹوٹ جائے اور اس کے موتی پے در پے جلدی جلدی گرنے لگیں۔

زنا کی کثرت: ''لَمْ تَظْہَرِ الْفَاحِشَۃُ فِی قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰی یُعْلِنُوا بِہَا إِلَّا فَشَا فِیْہِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْاَوْجَاعُ الَّتِیْ لَمْ تَکُنْ مَضَتْ فِیْ اَسْلَافِہِمُ الَّذِیْنَ مَضَوْا'' جب کسی قوم میں علی الاعلان بے حیائی ہونے لگے، تو ان میں طاعون پھیل جاتا ہے، اور ایسی بیماریاں جن کا پہلے نام و نشان نہ تھا۔(سنن ابن ماجہ)

ناپ تول میں کمی: ''وَلَمْ یَنْقُصُوْا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ إِلَّا اُخِذُوْا بِالسِّنِیْنَ وَشِدَّۃِ الْمَؤُنَۃِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَیْہِمْ'' جب قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے تو ان کے درمیان قحط سالی، حالات کی سختیاں اور بادشاہوں کے ظلم و ستم عام ہو جاتے ہیں۔(سنن ابن ماجہ)

زکاۃ نہ دینا: ''وَلَمْ یَمْنَعُوْا زَکَاۃَ اَمْوَالِہِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ وَلَوْلَا الْبَہَائِمُ لَمْ یُمْطَرُوْا''، جب کوئی قوم زکاۃ دینا چھوڑ دیتی ہے تو ان سے بارشیں روک لی جاتی ہیں، اگر زمین پر چوپائے/جانور نہ ہوں تو بارش کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ برستا۔(سنن ابن ماجہ)

بدعہدی:- ''وَلَمْ یَنْقُضُوْا عَہْدَ اللّٰہِ وَعَہْدَ رَسُوْلِہٖ إِلَّا سَلَّطَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ عَدُوًّا مِنْ غَیْرِہِمْ فَاَخَذُوْا بَعْضَ مَا فِیْ اَیْدِیہِمْ''، جب لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عہد و پیمان کو توڑ دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے علاوہ لوگوں میں سے کسی دشمن کو مسلط کر دیتا ہے، وہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے ان سے چھین لیتا ہے۔(سنن ابن ماجہ)

رشوت:- ''مَا مِنْ قَوْمٍ یَظْہَرُ فِیْہِمُ الرُّشَا إِلَّا اُخِذُوْا بِالرُّعْبِ'' جس قوم میں رشوت کی وبا عام ہو جاتی ہے اس پر رعب مسلط کر دیا جاتا ہے۔(مسند احمد)

قرآن و سنت کے خلاف فیصلے ہونا:- ''وَمَا لَمْ تَحْکُمْ اَئِمَّتُہُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ وَیَتَخَیَّرُوا مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰہُ إِلَّا جَعَلَ اللّٰہُ بَاْسَہُمْ بَیْنَہُمْ'' جس قوم کے حکمران اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے اور جو اللہ نے نازل کیا ہے، اُسے اختیار نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ اُن میں پھوٹ اور اختلاف ڈال دیتا ہے۔(سنن ابن ماجہ)

دنیا کی وقعت وعظمت:-''إِذَا عَظَّمَتْ أُمَّتِيْ الدُّنْيَا نُزِعَ مِنْهَا هَيْبَةُ الْإِسْلَامِ''جب اُمت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت اس کے دلوں سے نکل جائے گی۔(جامع الصغیر)

امر بالمعروف کا ترک:-'' وَإِذَا تَرَكَتِ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ حُرِمَتْ بَرَكَةُ الْوَحْيِ''جب امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی۔(جامع الصغیر)

گالی گلوچ کی کثرت:-''وَإِذَا تَسَابَّتْ أُمَّتِيْ سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللهِ''جب امت آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔(جامع الصغیر)

دوسری حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے تمام درج بالا علامات کو ذکر فرما کر فرمایا:

''پھر خدا کے عذاب کا انتظار کرو جو سرخ آندھی، زلزلوں، زمین میں دھنسائے جانے، شکلوں کے مسخ ہونے، پتھر برسنے، اور ایسی دیگر نشانیوں کی صورت میں اس طرح لگاتار ظاہر ہو گا جیسے کسی ہار کی ڈوری ٹوٹ جائے اور موتی لگاتار گرنے لگے۔''(ترمذی)

اگر اہم احادیث طیبہ کی روشنی میں میں غور کرتے ہیں تو ہمیں علم ہوتا ہے کہ آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ نے ہمیں بتایا کہ یہ قدرتی آفتیں پہلی امتوں کی طرح اس امت میں بھی آئیں گی اور اللہ تعالی کی ناراضگی کا اظہار ہوں گی؛ اس لیے سیلاب اور آندھی اور طوفان کے ظاہری اسباب پر ضرور نظر کی جائے اور ان کے حوالے سے بچاو اور تحفظ کی ضرور کوشش کی جائے لیکن اس کے ساتھ بلکہ اس سے زیادہ ضروری ہے کہ اس کے باطنی اسباب اور روحانی عوامل کی طرف بھی توجہ دی جائے اور ان کو دور کرنے کے لیے بھی محنت کی جائے۔

جب ظاہری اسباب کے ساتھ باطنی اسباب کی طرف متوجہ دینے کی محنت کا عرض کیا جائے تو بہت احباب یہ سوال کرتے نظر آتے ہیں کہ سزا اور تنبیہ تو مجرموں کو ہوتی ہے، جو لوگ جرائم میں شریک نہیں ہیں ان کا کیا قصور ہے اور معصوم بچوں اور عورتوں کا کیا جرم ہے کہ وہ بھی بہت بڑی تعداد میں زلزلہ کی زد میں آجاتے ہیں۔؟ یہی سوال آقائے نامدار ﷺ سے بھی کیا گیا تھا اس کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے جو ارشاد فرمایا آیئے جان لیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جب کسی قوم پر خدا کا عمومی عذاب آتا ہے تو نیک و بد سب اس کا شکار ہوتے ہیں؛ البتہ قیامت کے دن سب لوگ اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔" (بخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :

"مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے کہ میری امت کا ایک شخص حرم مکہ میں پناہ لیے ہوگا اور میری امت کا ہی ایک لشکر اس کے تعاقب میں مکہ مکرمہ کی طرف یلغار کرے گا؛ لیکن ابھی وہ بیدا کے مقام پر ہوں گے کہ سب لوگ زمین میں دھنسا دیے جائیں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ ان میں بہت سے لوگ غیر متعلق بھی ہوں گے ؟اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"ان میں مستبصر بھی ہوں گے یعنی وہ لوگ جو اپنی مرضی کے ساتھ شریک ہوں گے، کچھ مجبور بھی ہوں گے جو کسی مجبوری کی وجہ سے ساتھ ہوں گے، اور ابن السبیل یعنی راہ گیر بھی ہوں گے جن کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا؛ لیکن جب زمین پھٹے گی تو سب لوگ اس میں دھنس جائیں گے، البتہ قیامت کے دن سب لوگ اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔"

اللہ تعالی کا قانون اور ضابطہ ہے جس کی نبی کریم ﷺ وضاحت فرمارہے ہیں۔ اس کے مطابق ہمیں جہاں یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالی کی طرف سے ہے، وہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے ناراضگی کا اظہار ہے، سزا ہے، تنبیہ ہے، اور عبرت ہے جس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے۔

ان حالات میں رجوع الی اللہ کرنا چاہئیے، اللہ سے معافی مانگنی چاہئیے، اللہ کے حضور جھکنا چاہئیے، اللہ کے سامنے گڑگڑانا چاہئیے، اللہ کے حضور اپنے گناہوں آنسو بہانے چاہئیں، سب سے بڑھ کر اپنے رب کی رضا حاصل کرنی چاہئیے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہمارے حال پر رحم فرمائیں، گناہ معاف فرمائیں اور اپنی طرف متوجہ ہو کر حقیقی معنوں میں توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

درس قرآن

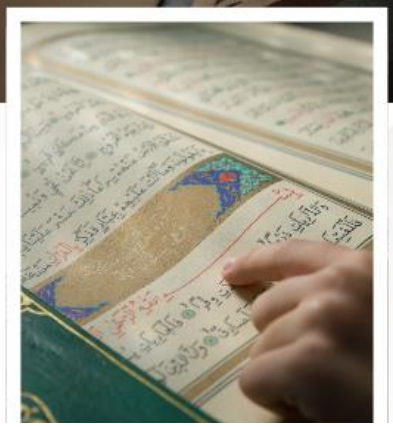

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

توحید:۔ اس سورۃ میں توحید کا دعویٰ بمع دلائل عقلیہ اور مسلمات عالمگیر یہ چار جگہ ہے۔

اوّل: یاایہا الناس اعبدوا ربکم (آیۃ ۲۱) اس میں خطاب عام ہے کہ صرف اپنے رب کی عبادت کرو، کیونکہ وہ تمہارا اور تمہارے آباؤاجداد اور پوری کائنات کا خالق ومالک ہے اور تمہیں روزی بھی وہی دیتا ہے اور کوئی ایسا نہیں ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟؟

ثانی: والٰہکم الٰہٌ وَّاحدٌ لا الٰہ الَّا ہوالرحمٰن الرحیم۔ (آیۃ ۱۶۳،۱۶۴) ان دو آیتوں میں اعادۂ دعویٰ توحید ہے بمع سبع دلائل عقلیہ، جو یہ ہیں: (۱) **خلق ارض وسماء** (۲) **اختلاف لیل و نہار** (۳) **اجراء الفلک فی البحار** (۴) **انزال المطر** (۵) **بث الدوآب** (۶) **تصریف الریاح** (۷) **تصریف السحاب**... یہ سب کارنامے ذاتِ باری کے ہیں، اس واسطے وہ اکیلا مستحقِ عبادت ہے۔

ثالث: اللہ لآ الٰہ اِلَّا ہو الحیُّ القیوم (آیۃ ۲۵۴) یہ دعویٰ تیسری بار ہے، اس میں نفی شفاعتِ قہری کا بیان ہے۔ یہ بھی سات دلائل سے مدلّل ہے: (۱) حیّ (۲) قیوم (۳) نیند واونگھ سے پاک (۴) زمین وآسمان کی تمام چیزوں کا مالک (۵) مجیر

الشفاعت (۶) کل امورِ دنیا وآخرت کا علیم (۷) حاکم مطلق... یہ تمام امور صرف اللہ تعالیٰ میں ہیں اور کسی میں نہیں، اس واسطے مستحق عبادت بھی وہی ہے اور اس پر شفیعِ غالب بھی کوئی نہیں۔

رابع: وللہ ما فی السمٰوٰتِ وما فی الارض (آیۃ: ۲۸۴)۔اس آیت میں اعادۂ دعویٰ چوتھی بار ہے بمع دلائل اربعہ۔ وہ یہ ہیں (۱) آسمان وزمین کی تمام چیزوں کا مالک (۲) ظاہر و باطن کا محاسب (۳) مغفرت و عذاب میں مختار (۴) ہر چیز پر قادر...اس واسطے مستحقِ عبادت ہے یہ چیزیں نہ غیر اللہ میں ہیں نہ وہ مستحقِ عبادت ہیں۔

رسالت:۔ ۱۲۴ سے لے کر ۱۷۷ آیات تک رسالت کا بیان ہے۔اثباتِ رسالت پر دو دلیلیں دی گئی ہیں۔

پہلی دلیل: کہ آپ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہیں۔ **''ربنا وابعث فیہم رسولًا منہم''**

دوسری دلیل: آپ علیہ السلام تمام انبیاء سابقین کے ساتھ نظریۂ توحید میں متفق ہیں اور اسی نظریۂ توحید کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی تبلیغ واشاعت کرتے ہیں، جو تمہارے روحانی اور جسمانی آباؤاجداد کا تھا تو جس طرح یہ چیز اس نظریہ کے حق ہونے کی دلیل ہے، اسی طرح اس نظریہ توحید پیش کرنے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی بھی دلیل ہے اور اثباتِ رسالت کی بھی دلیل ہے۔

تفصیل:۔ یہ دونوں دلائل مسلمات سے ہیں کیونکہ نزولِ قرآن کے وقت مذہبی لحاظ سے تین گروہ معروف تھے۔ مشرکین عرب، یہود، نصاریٰ...اور تینوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متبع ہونے کے دعویدار تھے اور ملتِ ابراہیمی کے بعض اعمال بھی بجالاتے تھے۔ اگرچہ اُن کی شکل وصورت مسخ کر ڈالی تھی مثلاً حج قربانی، ڈاڑھی، ختنہ وغیرہ اور ان سے محبت اتنی تھی کہ ان کی شکل کے بت بنا کر بیت اللہ میں رکھے تھے، ان کی نذریں اور منتیں مانتے تھے، ان کے نام پر سانڈ چھوڑتے، چڑھاوے چڑھاتے، عالم الغیب سمجھ کر غائبانہ پکارتے تھے، پھر انہی کی لڑی سے جو پیغمبر آئے سب کو حق مانتے تھے۔ اسی سے دلیل پکڑی گئی کہ جب تمہیں ان سے اتنی عقیدت ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہی کی دعا اور ان کے نظریے کا پرچار کرنے والے ہیں، ان کی نبوت کو بھی مان لو۔

درس حدیث

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

فَضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَآئِ بِسِتَّةٍ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ طُهُوْرًا وَمَسْجِدًا وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔(عن ابی ہریرۃ۔ کنزالعمال ج٦ ص١٨٥۔ مشکوٰۃ و مسلم ص٥١٢)

میں تمام انبیاء پر چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت دیا گیا ہوں۔

(۱) جامع کلمات دیا گیا ہوں (۲) رعب کے ساتھ مدد کیا گیا ہوں (۳) میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ (۴) میرے لئے ساری زمین کو مسجد اور پاکی کا حکم دیا گیا ہے۔ (۵) میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (۶) اور میرے ساتھ نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

عَن جابرٍ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا فَخْرَ۔

حضرت جابر سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام انبیاء کا قائد ہوں اور میں خاتم الانبیاء ہوں، فخر سے نہیں کہتا۔

اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَاَنَا قَائِدُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَاَنَا خَطِيْبُهُمْ اِذَا اَنْصِتُوْا وَاَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ اِذَا حُبِسُوْا وَاَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا اَيِسُوْا وَالْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيْحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَلِوَائُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَاَنَا اَكْرَمُ وُلْدِ اٰدَمَ عَلٰى رَبِّيْ يَطُوْفُ عَلَيَّ اَلْفُ خَادِمٍ كَاَنَّهُمْ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ اَوْ لُؤْلُؤٌ مَّنْثُوْرٌ۔ (ترمذی ۔ مشکوٰۃ ٥١٣)

جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو پہلے میں اٹھوں گا۔ جب وفد بن کر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوں گے تو میں قائد ہوں گا۔ جب وہ خاموش ہونگے تو میں ان کا خطیب ہوں گا۔ جب وہ روکے جائیں گے میں سفارش کروں گا۔ جب وہ ناامید ہوں گے میں ان کو خوشخبری دوں گا۔ کرامت اور ہر خیر کی چابیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اپنے رب کے ہاں میں تمام اولاد آدم سے معزز ہوں گا۔ میرے ارد گرد ہزار غلام گھوم رہے ہوں گے جو خوبصورتی میں صاف ستھرے سفید انڈوں یا بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح محسوس ہونگے۔ (ترمذی مشکوٰۃ ۵۱۴)

زبان کی دُرستگی سے دِل کی دُرستگی!
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"کسی بندے کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل درست نہ ہوجائے اور دل اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہوجائے۔"
(مسند احمد: 13048 حدیث صحیح)

حمد باری تعالیٰ

ایم راقم نقشبندی

نئے دور کی ابتدا کررہا ہوں
خدا کی میں حمد و ثنا کررہا ہوں
وہی کارسازِ جزا و سزا ہے
اسی کا بیاں، تذکرہ کررہا ہوں
یہ دنیا و مافیہا " کن " کا ہے عالم
اسی " کن " کے نغمے ادا کررہا ہوں
صفات و کمالات میں ہے وہ یکتا
زمانے کو یوں آشنا کررہا ہوں
وہ قادر، " قدیر ارحم الراحمیں" ہے
میں ذکر اس کا صبح و مسا کررہا ہوں
موذّن، مکبّر میں اس کی صدائیں
ادا "پنجگانہ صدا " کررہا ہوں
نہیں مجھ کو مطلوب مینا و ساغر
جو مطلوب ہے وہ پتا کررہا ہوں
اسی کی محبت کو پانے کی خاطر
میں قلب و نظر کو صفا کررہا ہوں
پڑھو رب کا قرآن لازم ہے تم پر
یہ تلقین میں بارہا کررہا ہوں"مع العسر یسرا" میں رب نے بتایا
پریشانیوں کی دوا کررہا ہوں
علیٰ کل شیء قدیرٌ" کا نغمہ
میں راقم، رقم یہ سدا کررہا ہوں

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایم راقم نقشبندی

پڑھیے درود نعت کی آمد کا نور ہے
رقصِ قلم ہے جاری، ورَق مثلِ طور ہے
ہر لمحہ ان کی نعت کا ہوتا ظہور ہے
سینہ تو اب کہ میرا بمثل بخور ہے
لکھتا ہوں ان کی نعت بڑے ذوق و شوق سے
اِس واسطے حیات میری پُرسرور ہے
سر کو ادب کے ساتھ جھکاؤ اے دوستو!
پڑھنے لگا ہوں اب کہ میں نعتِ حضور ہے
جو صِنفِ نعتِ پاک میں رہتا ہے پیش پیش
اُس کو ہر ایک صِنف میں کامل عبور ہے
جس کا ہو ورد صل علی مصطفی کی نعت
پاتا وہ کامیابی کی منزل ضرور ہے
راقم مرے نصیب میں آئی ہے نعتِ پاک
یوں کہیے مجھ سے رنج و بلا دور دور ہے

حضرت یاسر بن عامرؓ

مولانا محمد اکرم عثمانی صاحب

نام ونسب:۔

حضرت یاسر بن عامر رضی اللہ عنہ کا مکمل نام یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ ہے۔آپ کا تعلق یمن کے قبیلہ عنَس (عنسی) سے تھا۔آپ کے والد عامر بن مالک تھے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حارث اور مالک کے ساتھ یمن سے مکہ آئے۔ یہاں ان کی ملاقات ابو حذیفہ بن المغیرہ (قبیلہ بنو مخزوم) سے ہوئی، جنہوں نے یاسر رضی اللہ عنہ کو اپنا حلیف (معاہداتی ساتھی) بنالیا اور بعدازاں آزاد کر دیا۔(الطبقات الکبری لابن سعد، ج3، ص252)

لقب:۔

آپ کی کنیت ابو عمارہ تھی، اور آپ کو اسلام کے ابتدائی شہداء میں شمار کیا جاتا ہے۔(الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، جلد 3، صفحہ 216)

نکاح:۔

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے سمیہ بنت خُباط سے نکاح کیا، جو بعد میں اسلام کی پہلی شہیدہ قرار پائیں۔ان کے ہاں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، جو خود بھی عظیم صحابی تھے۔(سیر أعلام النبلاء،امام ذہبی،ج1،ص399)

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابو جہل نے زبان درازی اور سخت کلمات کہنے کے بعد اپنی برچھی سے شہید کر دیا۔ وہ پہلی خاتون شہیدہ بنیں، جنہیں صرف اسلام قبول کرنے کی پاداش میں شہید کیا گیا۔(البدایہ والنہایہ،ابن کثیر،ج3،ص60)

قبولِ اسلام:۔

حضرت یاسرؓ،ان کی بیوی سمیہؓ،اور بیٹے عمار رضی اللہ عنہم مکہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں شامل تھے۔اس وقت اسلام خفیہ طور پر پھیل رہا تھا،اور جو بھی ایمان لاتا،اسے قریش کی طرف سے شدید ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑتا۔آلِ یاسرؓ نے سخت ترین مظالم کے باوجود اپنے ایمان پر استقامت دکھائی۔(الطبقات الکبری لابن سعد،ج3،ص252)

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کا پورا خاندان اسلام لانے والوں میں اوّلین شمار ہوتا ہے، جنہوں نے کسی خوف یا لالچ کے بغیر اللہ و اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔(الاصابہ،ابن حجر عسقلانی، جلد4، صفحہ 437)

فضائل:۔

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کو جب مکہ میں مشرکین نے اذیتیں دینا شروع کیں، تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے اور فرمایا:

"صَبْرًا آلَ يَاسِرٍ، فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ"

"صبر کرو،اے آلِ یاسر! تمہارا وعدہ جنت ہے۔"

یہ وہ بشارت ہے جو حضور ﷺ نے ذاتی طور پر ان کو دی، جو ان کے صبر، استقامت اور ایمان کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔(المستدرک للحاکم،ج3،ص388،حدیث5646/السلسلۃ الصحیحۃ،حدیث2958،علامہ البانی)

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کو یہ عظمت حاصل ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لیے جنت کی بشارت دی۔ان کا گھرانہ دینِ اسلام کے لیے صبر، استقلال اور قربانی کی عظیم مثال بن گیا۔آپ کے بیٹے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بعد ازاں جلیل القدر صحابی بنے، جن کے ایمان کی گواہی خود نبی کریم ﷺ نے دی۔(صحیح بخاری، حدیث: 341)

شہادت:۔

مکہ میں قریش کی طرف سے آلِ یاسرؓ کو سنگین اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کو شدید گرمی میں زمین پر لٹا کر، زنجیروں میں جکڑ کر، اور پتھروں سے دبایا جاتا۔ وہ ان تکالیف کے باوجود اسلام پر ثابت قدم رہے اور آخر کار انہی مظالم کے نتیجے میں شہید ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام، ج 1، ص 320)

فضائل رمضان

محمد داؤد الرحمن علی

''رمضان''اسلامی قمری سال کا نواں مہینہ ہے۔

رمضان کا لغوی معنی:۔

''رمضان''''رمضاء'' سے مشتق ہے اور ''رمضاء''کا معنی ''سخت گرم زمین'' ہے۔جس زمانے میں اس مہینے کا نام رکھا گیا تھا، عرب میں اُس وقت گرمی کا موسم تھا، اتفاقاً رمضان ان دنوں سخت گرمی کے موسم میں آیا تھا، اس وجہ سے اس مہینے کا نام ''رمضان'' رکھا گیا۔(لسان العرب لابن منظور:7/162،ط:دار صادر)

ماہِ رمضان کی وجہ تسمیہ:۔

رمضان ''اِرماض'' سے مشتق ہو سکتا ہے اور ''اِرماض''کا معنی ''جلانا'' ہے، چونکہ یہ مہینہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت، بخشش اور مغفرت کی کثرت کی وجہ سے (مسلمانوں کے) گناہوں کو جلا کر ختم کر دیتا ہے، اس وجہ سے اس مہینے کا نام ''رمضان'' رکھا گیا۔(تفسیر القرطبی:2/291،ط:دار الکتب المصري)

رمضان کے نام:۔

۱۔ شہر الصبر

حضرت مجیبہ باہلی اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ماہِ رمضان کو **''شھر الصبر''** کہا گیا ہے۔(سنن أبي داؤد: 2/322،ط:المکتبۃ العصریۃ)

۲۔شھر مبارک

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ماہِ رمضان کو **''شھر مبارک''** کہا گیا ہے۔(مسند أحمد: رقم الحدیث:7577، 13/22،ط:مؤسسۃ الرسالۃ)

۳۔شھر المؤاساۃ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک لمبی روایت میں ماہِ رمضان کو **''شھر المؤاساۃ''** کہا گیا ہے۔(صحیح ابن خزیمۃ: رقم الحدیث:1887، 3/191،ط:المکتب الاسلامی)

۴۔شھر مطھر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ماہِ رمضان کو **''شھر مطھر''** کہا گیا ہے۔(الکامل لِابن عدی: رقم الحدیث:17004، 10/145،ط:مکتبۃ الرشد)

ماہِ رمضان کی آمد پر دعا:۔

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمیں رمضان کی آمد پہ یہ کلمات سکھایا کرتے تھے کہ ہم یہ کہا کریں کہ **''اللَّهُمَّ سَلِّمْنِي مِنْ رَمَضَانَ، وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِي، وَتَسَلَّمْهُ مِنِّي مُتَقَبَّلاً.''** یعنی ''اے اللہ! مجھے رمضان کے لئے اور رمضان کو میرے لیے سلامت رکھ اور رمضان کو میرے لیے سلامتی کے ساتھ قبولیت کا ذریعہ بنا۔(کتاب الدعاء للطبرانی، حدیث نمبر:۹۱۲، ج:۲، ص:۱۲۲۶، ط:دار البشائر الإسلامیۃ)

فضائل رمضان:۔

''رمضان'' کی فضیلت کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآن کریم کو نازل فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَٰتٍ مِّنَ ٱلْهُدَىٰ وَٱلْفُرْقَانِ.(سورۃ البقرۃ،آیت نمبر:۱۸۵)

رمضان کا وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کے واسطے ہدایت ہے اور ہدایت کی روشن دلیلیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جمعہ دنوں کا سردار ہے اور رمضان مہینوں کا سردار ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۹۰۰۰، ط: مکتبۃ الرشد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے ایمان و ثواب کی نیت سے ماہِ رمضان کے روزے رکھے، اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے اور جس نے ایمان و ثواب کی نیت سے شب قدر میں قیام اللیل (یعنی تراویح، تہجد) کیا اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۰۱۴، ط: دار طوق النجاۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، جس کی زندگی میں رمضان آیا اور اس کی مغفرت ہونے سے پہلے گذر گیا اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو، جس کے سامنے اس کے والدین کو بڑھاپا آئے اور وہ ان کے ذریعے جنت میں داخل نہ ہو سکے۔ (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۳۵۴۵، ط: دار الغرب الإسلامی)

رمضان رحمت اور جنت کے دروازے کھلنے، جہنم کے دروازے بند ہونے اور شیاطین کے قید ہونے کا مہینہ ہے۔

ماہِ رمضان میں رحمت اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۸۹۹، ط: دار طوق النجاۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ماہ رمضان آتا، تو نبی کریم ﷺ فرماتے کہ تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آچکا ہے، یہ مبارک مہینہ ہے، اللہ نے تم پر اس کے روزے فرض کئے ہیں، اس مبارک مہینے میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے، اس مہینے میں ایک رات ایسی بھی ہے، جو ہزار

مہینوں سے بہتر ہے، جو شخص اس کی خیر وبرکت سے محروم رہا، وہ مکمل طور پر محروم ہی رہا۔(مسند أحمد، حدیث نمبر:۷۱۴۸،ط:مؤسسۃ الرسالۃ)

امتِ محمدیہ کے لئے ماہِ رمضان کی پانچ خصوصیات:۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کو رمضان شریف میں پانچ چیزیں خاص طور پر دی گئیں ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں دی گئیں:

۱۔ان کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

۲۔ان کے لئے فرشتے دعا کرتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ افطار کے وقت تک دعا کرتے ہیں۔

۳۔جنت ہر روز ان کے لئے سجادی جاتی ہے۔پھر اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ عنقریب میرے نیک بندے مشقتیں اپنے اوپر سے ہٹا کر تیری طرف آئیں گے۔

۴۔اس مہینہ میں سرکش شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں اور لوگ رمضان میں ان برائیوں کی طرف نہیں پہنچ سکتے، جن کی طرف غیر رمضان میں جا سکتے ہیں۔

۵۔رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کی مغفرت کی جاتی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے عرض کیا: کیا یہ شب قدر ہے؟ ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کو مزدوری کام ختم ہونے کے وقت دی جاتی ہے۔(مسند أحمد، حدیث نمبر:۷۹۱۷،ط:مؤسسۃ الرسالۃ)

سحری میں برکت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سحری کھایا کرو، کیونکہ سحری کے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۰۹۵،ط:دار إحیاء التراث العربي)

افطاری میں برکت

حضرت سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص روزہ دار ہو، تو اس کو چاہیے کہ وہ کھجور سے افطار کرے، کیونکہ یہ باعث برکت ہے، اگر کھجور نہ مل پائے تو پھر پانی سے افطار کرلے، کیونکہ پانی پاک کرنے والا ہے۔(سنن ترمذی، حدیث نمبر:۶۵۸، ج:۲، ص:۳۹، ط:دار الغرب الإسلامی)

رمضان دعاؤں کی قبولیت اور جہنم سے آزادی کا مہینہ:۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے، تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، پس جنت کا کوئی دروازہ پورے مہینے بند نہیں کیا جاتا اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں، پس جہنم کا کوئی دروازہ پورے مہینے کھولا نہیں جاتا اور سرکش شیاطین قید کردیے جاتے ہیں اور آسمان سے پکارنے والا صبح تک یہ پکارتا ہے: اے بھلائی کے چاہنے والے! بھلائی کے کام پہ آگے بڑھ، اور اے برائی کے چاہنے والے! اپنی برائی سے رک جا، ہے کوئی دعا کرنے والا، جس کی ہم دعا قبول کریں، ہے کوئی مانگنے والا، جس کو ہم مانگی ہوئی چیز دیں اور اللہ تعالی رمضان کے پورے مہینے افطار کے وقت ہر رات میں جہنم سے ساٹھ ہزار لوگوں کو آزاد کردیتا ہے، پس جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے، تو پورے مہینے میں جتنے آزاد کیے تھے، اتنے تیس مرتبہ ساٹھ ساٹھ ہزار آزاد کردیتا ہے۔(شعب الإیمان للبیھقی، حدیث نمبر:3334، ط:مکتبۃ الرشد)

رمضان کی عبادت کا اثر تمام سال رہتا ہے:۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ رمضان المبارک کی عبادت کا اثر اس کے بعد گیارہ مہینے تک رہتا ہے، جو کوئی اس میں کوئی (بھی) نیکی بہ تکلف کرلیتا ہے، اس کے بعد اس پر بآسانی قادر ہو جاتا ہے اور جو کوئی کسی گناہ سے اس میں اجتناب کرلے، تو تمام سال بآسانی احتیاط ہو سکتی ہے اور اس مہینہ میں معصیت وگناہ سے اجتناب کرنا کچھ مشکل نہیں، کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ شیاطین قید کردیے جاتے ہیں۔(خطبات حکیم الامت، ج:۱۶، ص:۱۷، ط:ادارہ تالیفات اشرفیہ)

رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اہتمام:۔

ویسے تو رمضان المبارک کا پورا مہینہ ہی برکتوں اور رحمتوں والا ہے، لیکن اس کے آخری دس دن زیادہ فضیلت واہمیت کے حامل ہیں۔آپ ﷺ اس آخری عشرے میں عبادت الٰہی میں بہت محنت کرتے، خود جاگتے، گھر والوں کو بھی جگاتے اور ساری ساری رات عبادت میں مشغول رہتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں عبادت کی وہ کوشش فرماتے، جو عشرہ اخیرہ کے علاوہ آپ نہ کرتے تھے۔(سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۷۹۶، ط: دار الغرب الإسلامی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ جب عشرہ اخیرہ شروع ہوتا، تو جناب نبی کریم ﷺ کمر کس لیتے تھے (بہت زیادہ مستعد ہو جاتے) رات کو خود جاگتے اور گھر والوں کو بھی جگاتے۔(صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۰۲۴)

عشرہ اخیرہ میں اعتکاف:۔

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ رمضان کی آخری دس راتوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے ، پھر یہ معمول برابر جاری رہا ، یہاں تک آپ ﷺ کی وفات ہو گئی۔(سنن دار قطنی، حدیث نمبر: ۲۳۶۲، ط: مؤسسۃ الرسالۃ)

قیامِ رمضان:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے ایمان و ثواب کی نیت سے ماہِ رمضان کے روزے رکھے، اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے اور جس نے ایمان و ثواب کی نیت سے شب قدر میں قیام اللیل (یعنی تراویح، تہجد) کیا، اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۰۱۴، ط: دار طوق النجاۃ)

۱۔ قیامِ رمضان یعنی رمضان کی راتوں میں عبادت کی دو اہم صورتیں سنت سے ثابت ہیں: ۱۔ تراویح، ۲۔ تہجد

۲۔ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں اور دونوں میں مختلف اعتبار سے فرق ہے۔

۱۔ تہجد کا ذکر قرآن کریم میں ہے، جبکہ تراویح کا ذکر صرف حدیث شریف میں ہے۔(القرآن الکریم: الإسراء، الایۃ: 79)

۲۔ تہجد پورے سال پڑھنے کی نماز ہے اور تراویح رمضان المبارک کے ساتھ خاص ہے۔

۳۔ تہجد کا اصل وقت آخر رات ہے اور تراویح کا اصل وقت عشاء کی نماز کے فوراً بعد ہے۔(لموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ: 2/232، ط: دار السلاسل)

۴۔ تہجد میں جماعت نہیں ہے، جبکہ تراویح کی نماز میں جماعت مسنون ہے۔(الفتاوی الھندیۃ: 1/116، ط: دار الفکر)

۵۔ تہجد میں قرآن مجید ختم کرنا سنت نہیں، جبکہ تراویح کی نماز میں پورا قرآن شریف ختم کرنا سنت ہے۔(الفتاوی الھندیۃ: 1/117،ط:دارالفکر)

بیس رکعت تراویح کا صحیح احادیث اور تابعین کے اقوال سے ثبوت:۔

۱۔حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ کے دور خلافت میں رمضان المبارک کے مہینے میں حضرات صحابہ وتابعین بیس(20)رکعات تراویح پڑھتے تھے،اور وہ سو سو آیتیں پڑھا کرتے تھے،اور امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شدت قیام یعنی طول قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔(السنن الکبری للبیھقی،ج:۲،ص۶۹۸،رقم الحدیث:۴۲۸۸،ط:دارالکتب العلمیۃ)

۲۔امام مالکؒ نے یزید بن رومانؒ سے روایت کیا ہے کہ لوگ(یعنی صحابہ وتابعین)حضرت عمرؓ کے زمانے میں رمضان المبارک کے مہینے میں تئیس رکعات(تین رکعت وتر سمیت)تراویح پڑھا کرتے تھے۔(موطاالامام مالک بروایۃ یحیی بن یحیی اللیثی،ص:۶۰، رقم الحدیث:۲۴۹،ط:مکتبۃ دارالکتب العلمیۃ)

۳۔حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ نے مجھے رمضان المبارک میں رات کو تراویح پڑھانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگ دن میں روزہ تو رکھ لیتے ہیں، مگر قرآن(یاد نہ ہونے کی وجہ سے)تراویح نہیں پڑھ سکتے، اس لئے ان لوگوں کو رات میں تراویح پڑھاؤ۔حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین!آپ نے ایک ایسی بات کا حکم دیا ہے، جس پر آپ ﷺ کے زمانے میں عمل نہیں رہا ہے(یعنی باجماعت تراویح پڑھنا)، حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا: میں جانتا ہوں، لیکن یہی بہتر ہے، تو حضرت ابی بن کعبؓ نے بیس (20) رکعات تراویح پڑھائی۔(الأحادیث المختارۃ لضیاءالدین المقدسي:ج:۳،ص۳۶۷،رقم الحدیث:۱۱۶۱،ط:دار خضر)

۴۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کے عمل کی بنا پر اکثر علماء کے نزدیک تراویح بیس(20)رکعات ہے۔

۵۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھتے پایا ہے۔(جامع الترمذی:ج:۳،ص:۱۶۰،ط:مطبعۃ مصطفی البابي الحلبي–مصر)

۶۔ جلیل القدر تابعی حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں (صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ) کو بیس (20) رکعات تراویح اور تین (3) رکعات وتر پڑھتے پایا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ بحوالہ آثار السنن، ص: ۲۴۷، ط: مکتبۃ البشری)

۷۔ ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا بیس رکعت تراویح کے سنت ہونے پر اتفاق ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: ج: ۲۷، ص ۱۴۱، ط: مطابع دار الصفوۃ — مصر)

۸۔ سعودیہ کے مشہور عالم علامہ ابن بازؒ کہتے ہیں کہ:

اگر کوئی شخص بیس رکعات تراویح پڑھتا ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رمضان کی بعض راتوں میں منقول ہے، تو ایسا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ تراویح کا معاملہ وسعت والا ہے۔ (مجموع فتاوی العلامۃ عبد العزیز بن باز، ج: ۱۱، ص: ۳۲۲)

تہجد کی نماز:۔

آخر شب میں اٹھ کر آٹھ رکعات (ورنہ چار رکعات) نفل نماز تہجد کہلاتی ہے۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن روایت کرتے ہیں کہ ابو سلمہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رمضان میں آپ ﷺ کی نماز کیسی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رمضان میں اور دوسرے مہینوں میں رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعتوں پر اضافہ نہ فرماتے تھے، چار رکعت پڑھتے اور تم مت پوچھو کہ وہ چار رکعت کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں، پھر چار رکعتیں پڑھتے اور تم مت پوچھو کہ وہ چار رکعت کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں، پھر تین رکعت نماز وتر پڑھا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں، لیکن میرا قلب (دل) نہیں سوتا۔ (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۱۴۷، ط: دار طوق النجاۃ)

شبِ قدر کی فضیلت:۔

شبِ قدر کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس کی فضیلت میں قرآن کریم کی پوری ایک سورۃ "سورۃ القدر" نازل فرمائی، جس میں ارشاد فرمایا:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (1) وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (2) لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ (3) تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ (4) سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (5)

ترجمہ: بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اتارا ہے۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے، شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں۔ وہ صبح روشن ہونے تک سلامتی کی رات ہے۔

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے شبِ قدر میں حالت ایمان اور ثواب کی نیت سے قیام کیا، تو اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (صحیح البخاری، حدیث نمبر: 35)

شبِ قدر کی دعا:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر مجھے شب قدر نصیب ہو جائے، تو کیا دعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہ کہنا "أَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي". یعنی اے اللہ! آپ بہت در گزر فرمانے والے ہیں۔ در گزر کرنے کو پسند کرتے ہیں، اس لئے مجھ سے در گزر فرمایئے۔ (سنن ابن ماجۃ، حدیث نمبر: ۳۸۵۰)

رمضان المبارک کی طاق راتوں میں چراغاں کرنا؟

رمضان المبارک کی طاق راتوں میں چراغاں کرنا اسراف اور فضول خرچی ہے اور مسجد کی بجلی کا ناجائز استعمال ہے، علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

مسجد کے عام معمول سے زیادہ روشنی کا انتظام کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ اسراف ہے، اور مساجد میں بھی چراغاں کرنا بدعت ہے۔ (البحر الرائق: 5/232، ط: دار الکتاب الاسلامی)

رمضان المبارک میں صلوۃ التسبیح کی جماعت کرانا:۔

واضح رہے کہ شریعت نے عبادت کو جس انداز میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اسے ویسے ہی ادا کرنا چاہیے، شریعت نے نماز پنج گانہ اور جمعہ و عیدین وغیرہ کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن نوافل کو انفراداً ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے کسی نفلی نماز کو (خواہ صلوۃ التسبیح ہو یا کوئی اور) جماعت سے ادا کرنا منشائے شریعت کے خلاف ہے، اس لیے حضرات فقہاء نے نفل نماز کی جماعت کو (جبکہ مقتدی دو سے زیادہ ہوں) مکروہ لکھا ہے اور خاص راتوں میں اجتماعی نماز ادا کرنے کو بدعت قرار دیا ہے، لہذا کسی اور خاص رات میں اجتماعی نوافل ادا کرنا بدعت ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار: 2/49، ط: دار الفکر)

مروجہ قضائے عمری کی شرعی حیثیت:۔

مروجہ قضائے عمری بدعت ہے، نہ قرآن میں اس کا ثبوت ہے اور نہ حدیث میں اس بارے میں کوئی روایت ہے، نہ صحابہ کے آثار ہیں، نہ ہی تابعین، تبع تابعین اور بزرگان دین کے عمل میں اس کا کہیں کوئی تذکرہ ہے اور ائمہ اربعہ کے مذہب کی معتبر کتابوں میں بھی اس کا کوئی ذکر اور نام ونشان نہیں ہے۔اس بارے میں جو روایت پیش کی جاتی ہے، وہ موضوع (من گھڑت) ہے۔

علامہ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث کہ "جو شخص رمضان کے آخری جمعے میں دن رات کی پانچ فرض نمازیں پڑھ لے، ان سے اس کے سال بھر کی جتنی نمازوں میں خلل رہا ہو، ان سب کی قضا ہو جاتی ہے" کسی شک کے بغیر موضوع ہے۔(الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، ص:۵۴، ط:دار الکتب العلمیۃ)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

یہ روایت کہ "جو شخص رمضان کے آخری جمعے میں ایک فرض نماز قضاء پڑھ لے تو ستر سال تک اس کی عمر میں جتنی نمازیں چھوٹی ہوں، ان سب کی تلافی ہو جاتی ہے" یہ روایت قطعی طور پر باطل ہے، اس لئے کہ یہ حدیث اجماع کے خلاف ہے، اجماع اس پر ہے کہ کوئی بھی عبادت سالہا سال کی چھوٹی ہوئی نمازوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتی ہے۔(الموضوعات الکبری: ص:۳۵۶، ط:مؤسسۃ الرسالۃ)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

رمضان شریف کے آخری جمعہ میں قضاعمری بطریق مخصوص پڑھنا ثابت نہیں ہے۔(فتاوی دار العلوم دیوبند، ج:۳، ص:۲۴۸، ط:دار الاشاعت)

مشہور بریلوی عالم مفتی امجد علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قضائے عمری کہ شبِ قدر یا اخیر جمعۂ رمضان میں جماعت سے پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ عمر بھر کی قضائیں اسی ایک نماز سے ادا ہو گئیں، یہ باطل محض ہے۔(بہار شریعت، ج:۴، ص:۷۰۸، ط:مکتبۃ المدینہ)

جمعۃ الوداع کی شرعی حیثیت:۔

عوام میں رمضان المبارک کا آخری جمعہ بڑی اہمیت کے ساتھ مشہور ہے، اور اس کو "**جمعة الوداع**" کا نام دیا جاتا ہے، لیکن احادیثِ شریفہ میں "آخری جمعہ" کی کوئی الگ سے خصوصی فضیلت ذکر نہیں کی گئی ہے۔اسی طرح بعض لوگ آخری جمعہ کے

خطبے ''الوداع الوادع یا شہر رمضان''پڑھتے ہیں،اس کی بھی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے، مولانا عبد الحہ لکھنویؒ نے اس بارے میں ایک رسالہ'' ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان''لکھا ہے اور اس میں رمضان کے آخری جمعہ میں ہونے والی بدعات پر رد کیا ہے۔(فتاوی محمودیۃ:8/296،ط:إدارۃ الفاروق)

ماہِ رمضان کی اطلاع دینے پر جہنم کی آگ حرام ہونے کی حدیث کا حکم:۔

ماہِ رمضان آتے ہی سوشل میڈیا پر ایک حدیث پھیلائی جاتی ہے کہ ''جو بھی رمضان کی مبارک باد سب سے پہلے دے گا،اس پر جہنم کی آگ حرام ہو جائے گی''

واضح رہے کہ اس طرح کی کوئی حدیث چاہے ضعیف سند کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو،موجود نہیں ہے،بلکہ یہ بالکل من گھڑت بات ہے، جسے جناب رسول اللہ ﷺ کی جانب نسبت کر کے پھیلایا جارہا ہے،حالانکہ کسی بات کو غلط طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرنا گناہ کبیرہ اور حرام ہے.

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:''جس نے میری جانب وہ بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی ہے تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔(صحیح البخاری،حدیث نمبر:۱۰۹،ط:دار طوق النجاۃ)

اللہ پاک ہم سب کو رمضان المبارک کی فیوض و برکات سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے،اور زندگی میں بار بار یہ مہینہ نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین

ذاتِ رسالتِ مآب ﷺ
جمال، کمال اور جلال کا مجموعہ
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ
''رسول اللہ ﷺ سب لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔''
(صحیح بخاری:5686،باب حسن الخلق والسخاء)

ترکِ سنت اور سنت اسلام کی عملی رہنمائی

مولانا محمد عبید الرحمن صدیق صاحب

اسلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہ صرف ایمان کا حصہ بلکہ ایک رہنما اصول سمجھا جاتا ہے۔ سنت، وہ تمام اقوال، افعال اور طریقے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اختیار کیے، اور انہیں اپنانا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ اس مضمون میں ہم سنت اور ترکِ سنت کی اہمیت، ان کے اثرات اور ان پر عمل کرنے کی ضرورت پر بات کریں گے۔

سنت کیا ہے؟

سنت، اسلام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زندگی کے طریقے، افعال اور اقوال ہیں، جو ہر مسلمان کے لیے ایک عملی نمونہ فراہم کرتے ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو انسانوں کے لیے بہترین اسوہ قرار دیا ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:

”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا“(الاحزاب: ٢١)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہر مسلمان کے لیے ایک مکمل رہنمائی ہے، اور اس پر عمل کرنا باعثِ ہدایت ہے۔

سنت پر عمل کے فوائد

روحانی ترقی:

سنت پر عمل کرنے سے انسان کا تعلق اللہ سے مضبوط ہوتا ہے، اور اسے دل کا سکون ملتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرنے سے ایمان میں پختگی آتی ہے اور زندگی میں اطمینان آتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن تھے۔"

یعنی آپ کا ہر عمل اور ہر لفظ قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔ (صحیح مسلم)

دنیا میں کامیابی:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزارنے سے انسان دنیا میں بھی کامیاب رہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی تعلقات، کاروباری اخلاق، اور زندگی کے مختلف شعبوں میں عدل و انصاف کی تعلیم دی ہے، جو ہر شخص کے لیے فائدہ مند ہیں۔ مثلاً، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

"تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے بہترین ہو، اور میں اپنے اہل و عیال کے لیے تم میں سے سب سے بہتر ہوں۔"

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ گھر کے اندر بھی عدل و انصاف اور حسن سلوک سے کام لینا چاہئے۔ (صحیح مسلم)

دین کی حفاظت:

سنت پر عمل کرنا دین کی حفاظت کا ضامن ہے۔ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں، تو ہم دین کے تمام اصولوں کو صحیح طور پر سمجھ کر ان پر عمل کرتے ہیں، اور بدعات اور گمراہی سے بچتے ہیں۔

"جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی، وہ بدعت کے مرتکب ہوئے۔" (السنن الکبری)

ترکِ سنت: ایک سنگین غلطی

جب کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کرتا ہے، تو وہ دراصل اپنی زندگی سے ایک اہم اصول کو نکال رہا ہوتا ہے۔ ترکِ سنت ایک گمراہی کی طرف لے جا سکتا ہے، کیونکہ سنت سے انحراف کرنے سے انسان دین کی اصل روح سے دور جا سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جو شخص سنت کو ترک کرتا ہے، وہ بدعت کی راہ پر چل پڑتا ہے، اور بدعت گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔" (السنن الکبریٰ)

ترکِ سنت کے اثرات

گمراہی:

جب سنت ترک کی جاتی ہے، تو انسان کی زندگی میں ہدایت کی کمی آتی ہے، اور وہ گمراہی کے راستے پر چل پڑتا ہے۔ ترکِ سنت سے انسان قرآن اور حدیث کے اصل پیغام سے انحراف کرتا ہے، جس کا نتیجہ اس کی روحانیت اور دین داری میں کمی کی صورت میں نکلتا ہے۔ (صحیح بخاری)

اللہ کی ناراضگی:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کرنا اللہ کی رضا کے خلاف ہے۔ اس کے نتیجے میں انسان اللہ کی ناراضگی کا سامنا کر سکتا ہے، اور اس کی عبادات اور اعمال کی تاثیر کم ہو سکتی ہے۔ (الکامل فی الحدیث)

اخلاقی نقصانات:

سنت پر عمل کرنے سے انسان کے اخلاق میں بہتری آتی ہے، لیکن جب سنت ترک کی جاتی ہے، تو اس کا اثر انسان کے اخلاقی کردار پر پڑتا ہے۔ وہ معاشرتی تعلقات میں، ایمانداری میں، اور عدل و انصاف میں کمی محسوس کرتا ہے۔ (ابن حبان)

ترکِ سنت کی وجوہات

سنت کو ترک کرنے کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں:

جہالت:

بعض افراد سنت کی اہمیت سے ناواقف ہوتے ہیں اور اس کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ جہالت اس بات کا سبب بنتی ہے کہ وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔ (المدخل لابن الحاج)

بدعت:

کچھ افراد اپنی مرضی کی نئی عبادات یا عقائد شامل کر لیتے ہیں، جس کے نتیجے میں سنت سے انحراف ہو جاتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"جو سنت کو چھوڑ کر بدعت اختیار کرتا ہے، وہ دراصل اللہ کے دین میں تبدیلی کر رہا ہوتا ہے۔" (الرسالہ لامام الشافعی)

دنیا کی محبت:

دنیاوی خواہشات اور لذتوں کی پیروی کرنے کی وجہ سے لوگ سنت کو ترک کر دیتے ہیں۔ ان کے ذہن میں دنیا کی فوری کامیابی ہوتی ہے، جو انہیں آخرت کی کامیابی سے غافل کر دیتی ہے۔ (صحیح مسلم)

سنت کی عبادات پر عمل کرنا

عبادات میں سنت کا عمل بہت اہمیت رکھتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی عبادات میں خاص طریقے اپنائے، جیسے کہ نماز، روزہ، زکات اور حج۔ ان عبادات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر انجام دینا ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

نماز میں سنت:

نماز کے اندر نفل نمازوں کا احیاء اور سنت موکدہ پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نمازوں کے علاوہ سنتوں کو بھی بہت اہمیت دی ہے، جیسے فجر کی دو رکعت سنت یا عشاء کے بعد کی سنتیں۔ (صحیح بخاری)

روزہ میں سنت:

یوم عاشورہ اور یوم عید کے روزے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اہمیت دی، اور ان دنوں میں روزہ رکھنا ایک بڑی فضیلت کا حامل ہے۔ (ابن ماجہ)

زکات اور صدقات:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات دینے کی جو عادت ڈالی، وہ ہمیں انسانیت کی خدمت اور مال کا صدقہ دینے کی تعلیم دیتی ہے۔ (صحیح مسلم)

سنت کو اپنانا اور ترکِ سنت سے بچنا ایک مسلمان کی فلاح کے لیے ضروری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہماری روحانیت، اخلاقی، اور دنیاوی کامیابی کا ضامن ہے۔ سنت پر عمل کرنے سے نہ صرف ہم اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں بلکہ ہم دین کے صحیح پیغام کو بھی زندہ رکھ سکتے ہیں۔ ترکِ سنت کے نتیجے میں انسان گمراہی، بدعت، اور اللہ کی ناراضگی کا شکار ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے، تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکے۔ (السنن الدارمی)

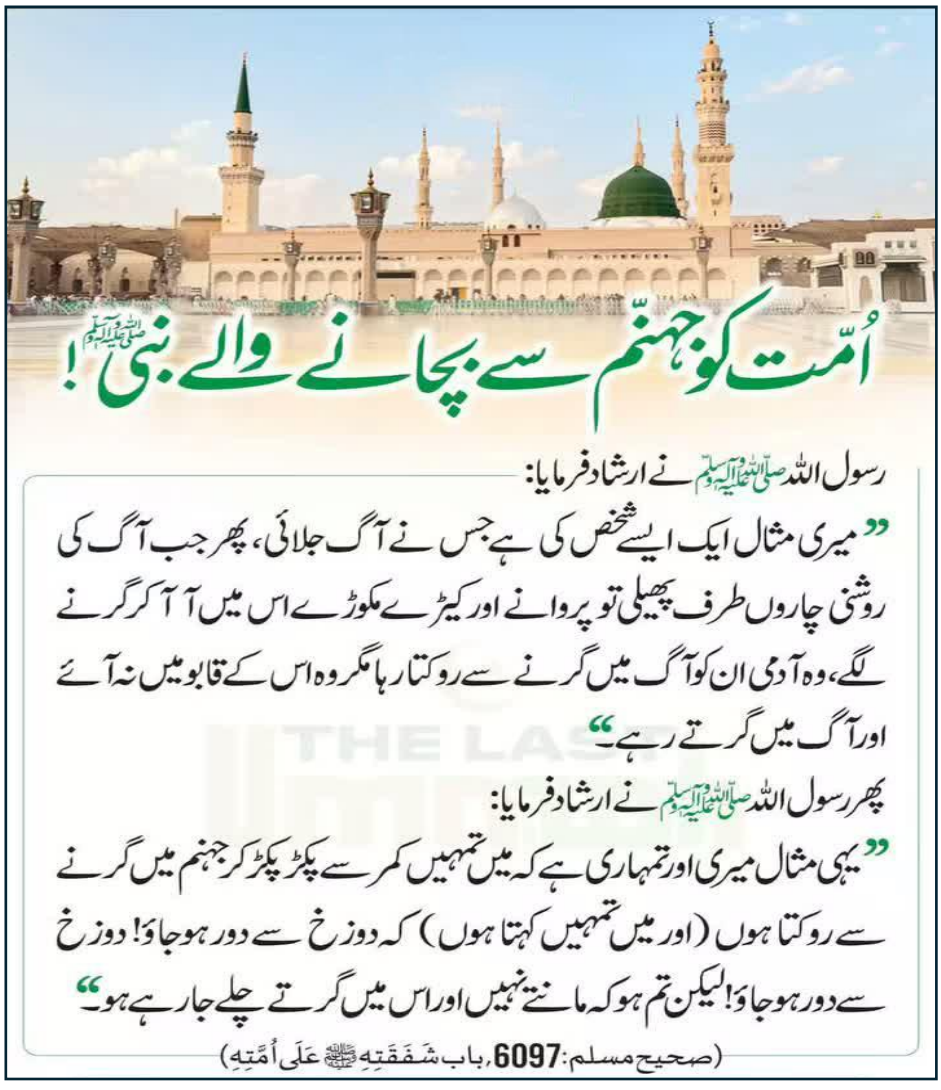
اُمّت کو جہنّم سے بچانے والے نبی ﷺ!
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"میری مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب آگ کی روشنی چاروں طرف پھیلی تو پروانے اور کیڑے مکوڑے اس میں آ آ کر گرنے لگے، وہ آدمی ان کو آگ میں گرنے سے روکتا رہا مگر وہ اس کے قابو میں نہ آئے اور آگ میں گرتے رہے۔"
پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"یہی مثال میری اور تمہاری ہے کہ میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر جہنم میں گرنے سے روکتا ہوں (اور میں تمہیں کہتا ہوں) کہ دوزخ سے دور ہو جاؤ! دوزخ سے دور ہو جاؤ! لیکن تم ہو کہ مانتے نہیں اور اس میں گرتے چلے جا رہے ہو۔"
(صحیح مسلم: 6097، باب شَفَقَتِهِ ﷺ عَلَى أُمَّتِهِ)

خزانہ الٰہی کی کنجی دعا

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی

جس پیٹ میں حلال مال جائے وہ پیٹ مبارک ہے حلال اور حرام میں تمیز اسلامی اصولوں کے مطابق کرنی چاہیے اسلام حلال مال کھانے کا درس دیتا ہے اور حرام سے روکتا ہے۔ حلال مال کی طلب تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جس نے چالیس دن ایسی حلال روزی کھائی جس میں کچھ نہ حرام ملا ہو حق تعالیٰ اس کے دل کو نور سے بھر دے گا اور حکمت کے چشمے اس کے دل سے جاری کر دے گا ایک اور روایت میں ہے کہ دنیا کی محبت اس کے دل سے نکال دیتا ہے اور حلال روزی کھانے والے کی دعا قبول ہوتی ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ جو حرام سے کھاتا ہے اس کی نہ فرض نماز قبول ہوتی ہے نہ سنت، ایک اور ارشاد ہے کہ جس نے ایک کپڑا دس درہم دے کر لیا جس میں ایک درہم حرام ہے تو جب تک وہ کپڑا بدن پر رہے گا اس کی نماز قبول نہ ہو گی اور جو گوشت بدن پر حرام روزی سے پیدا ہوا دوزخ کی آگ میں جلے گا، جس نے پرواہ نہ کی اس بات کی کہ مال کہاں سے پیدا کیا ہے اللہ پاک اس بات کی پرواہ نہ کرے گا کہ اس کو کہاں سے دوزخ میں ڈالے۔

ارشاد مصطفی ﷺ ہے جو طلب حلال میں تھک کر گھر جاتا ہے اور سو جاتا ہے اس کے سب گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور صبح کو جب وہ سو کر اٹھتا ہے اللہ پاک اس سے خوش ہوتے ہیں۔

نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جو حرام سے پرہیز کرتا ہے مجھے شرم آتی ہے کہ اس سے حساب لوں، فرمان رسول ﷺ ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ کھانا کپڑا ان کا حرام ہے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں ایسی دعا کب قبول ہو گی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ رزق حرام کھا کر عبادت کرنا ایسا ہے جیسے ریت یا پانی پر گھر بنایا جائے، حرام کھانے والے کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ حلال کمائی کی لذت اس شخص کو محسوس ہوتی ہے جو حرام کمائی چھوڑنے کی مکمل کوشش کرتا ہے

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے غلام کے ہاتھ سے تھوڑا سا دودھ پی لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کسی وجہ سے حلال نہیں ہے فوراً اپنی انگلی حلق میں ڈال کر قے کی اور اللہ پاک سے التجا کی کہ یااللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس مقدار سے جو میری رگوں میں رہ گیا ہے اور باہر نہیں نکلا، جو حلال روزی کھائے گا اس کے اعضاء اطاعت میں رہیں گے اور ہمیشہ توفیق خدا اس کے ساتھ رہے گی۔

ادب سے دیکھنا لوگو یہ میرا رزق حلال

کہ کم لگے بھی تو تاثیر میں زیادہ ہے

قرآن وسنت میں کثرت رزق کے اسباب بیان فرمائے گئے ہیں جن میں سے دس مندرجہ ذیل ہیں

1۔استغفار کرنا(سورۃ نوح)2۔ تقویٰ اختیار کرنا(سورۃ طلاق)3۔اللہ کی ذات پر توکل کرنا(مسند امام احمد بن حنبل)4۔ حسب حیثیت صدقہ خیرات کرنا(سورۃ سباء)

5۔شکر کرنا(سورۃ ابراہیم)6۔صلہ رحمی کرنا(صحیح بخاری شریف)7۔پاکدامنی کے لیے شادی کرنا(سنن النسائی)8۔لگاتار حج وعمرہ کرنا(سنن الترمذی)

9۔گناہوں کو چھوڑ دینا(سنن ابن ماجہ)10۔ صبح سویرے رزق کی تلاش میں نکلنا(سنن ابی دائود)

آج معاشرے میں حلال حرام کی تمیز نہیں رہی اسی وجہ سے ہر دوسرا آدمی پریشان دکھائی دیتا ہے، حلال میں اللہ پاک نے مٹھاس اور سکون رکھا ہے حرام مال میں سے لذت اٹھادی گئی ہے، جو لوگ معاملات کو درست رکھتے ہیں وہ ہمیشہ سرشار رہتے ہیں اور جن کے معاملات اچھے نہیں وہ پریشانیوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

ہمارے اسلاف اس بات کا بہت خیال رکھا کرتے تھے کہ کہیں کسی کا حق نہ مارا جائے۔ایک اللہ والے کسی بیمار کے سرہانے بیٹھتے تھے اس کی بیمار پرسی کیا کرتے تھے جب وہ بیمار مر گیا تو فوراً اس کے کمرے میں لگے ہوئے چراغ کو بجھادیا کہ اب اس کا تیل ورثاء کا حق ہے (سبحان اللہ) ایسے ہی لوگوں کی دعائیں پھر عرش والا رد نہیں کرتا ان کے چلنے پھرنے کو بھی عبادت کا درجہ دیا جاتا ہے۔

یہ مقام ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے غنیمت کا مشک گھر میں اپنی اہلیہ کو دیا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے حصے کرو! آپؓ کی اہلیہ نے اس کے چھوٹے چھوٹے حصے کر دیے ہاتھ سے دوپٹہ کو چھوا تو اس دوپٹہ سے خوشبو آنے لگی آپؓ نے فرمایا کہ تمہارا مقنع خوشبو کیوں دیتا ہے؟ یہ تو تمام مسلمانوں کا حق ہے۔

اللہ اکبر یہ حضرت عمرؓ کی شان فاروقی تھی کہ مسلمانوں کی جان و مال کا کتنا خیال رکھا کرتے تھے تبھی تو زمین ان کے پائوں کی ٹھوکر سے فوراً سکوت اختیار کر لیتی تھی جس زمین پر عدل وانصاف ہوتا ہے دوسروں کے مال کی نگہبانی ہوتی ہے اس زمین کو بھی قرار ملتا ہے، جہاں غیروں کے مال کو اپنا سمجھا جائے اور عوام الناس کے مال کو بے دریغ استعمال کیا جائے تو زمین ہی کیا زمین میں رہنے والی مخلوقات بھی ایسے لوگوں کے لیے بد دعائیں کرتی ہیں

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے مشک لائی گئی تو آپ نے فوراً اپنی ناک پکڑ لی کہ اس کی خوشبو کہیں میری ناک میں نہ چلی جائے کیونکہ اس پہ تمام مسلمانوں کا حق ہے، حضرت امام حسنؓ نے صدقہ کے مال میں سے ایک خرمالے کو منہ میں رکھ لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کخ کخ القھا یعنی اس کو پھینک دے۔

جب تربیت ایسی ہو گی تو اولاد بھی اپنے آبائو اجداد کے اقوال وافعال کو اپناتے ہوئے ان کی طریقوں پہ اپنی جان کو قربان کیا کرتی ہے

نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو چالیس دن شبہ کا مال کھائیگا اس کا دل سیاہ ہو جائے گا، غور کریں یہاں پہ تو جان بوجھ کر مال کو غصب کیا جاتا ہے، ڈاکہ زنی، رشوت خوری کا بازار گرم ہے دل سیاہ سے بھی سیاہ تر ہو چکے ہیں، نصیحت بے فائدہ جاتی ہے عمل نیک سے انسان دور اور عمل بد پہ انسان خوش دکھائی دیتا ہے اصل وجہ پیٹ کو لقمہ حلال میسر نہ ہونا ہے

یحیٰی بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ طاعت خزانہ الٰہی ہے اور اس کی کنجی دعا ہے اور اس کے دندانے لقمہ حلال ہیں

اب آپ اندازہ لگائیں خزانہ الٰہی کو حاصل کرنے کے لیے دعا کی کنجی کی ضرورت ہے اور جس کنجی کے دندانے نہ ہوں تو تالا نہیں کھلتا ہے لقمہ حلال دعا کی کنجی کے دندانے اب دندانوں کو بھی سلامت رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ دعا کی کنجی سے خزانہ الٰہی حاصل ہو سکے۔ اللہ پاک ہمیں حلال کی وافر روزی عطا فرمائے اور حلال کے کاموں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین یارب العالمین بحرمۃ سید الانبیاء والمرسلین)

سمیع اللہ حضروی صاحب

''نا'' حرفِ نفی کے علاوہ حرفِ تاکید، حرف اثبات، حرفِ استفسار اور حسنِ کلام کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جب کہ ''نہ'' حرفِ نفی ہے اور یہ ''نا'' (حرفِ نفی) کی تخفیفی حالت ہے اور اب اردو میں مستقل اسی املاء کے ساتھ بطور حرفِ نفی، مستعمل ہے۔

''نا'' کا استعمال:۔

1-نابھائی! ہم نہیں جائیں گے۔

اس جملے میں ''نا'' نفی کا ہے۔

2-تم جاؤنا۔

اس جملے میں ''نا'' حرفِ تاکید ہے۔

3-یہ کتاب ہے نا۔

اس جملے میں ''نا'' حسنِ کلام کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

4-آخر کام یاب ہو گیا نا۔

اس جملے میں ''نا'' اثبات کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

5-آخر تو ہے نا؟۔

اس جملے میں ''نا'' استفسار کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

''نا'' اسی وقت حرفِ نفی ہو گا جب جملے کے شروع میں آئے گا۔

''نا'' بطور سابقہ بھی حرفِ نفی مستعمل ہے۔

جیسے: ناسمجھ، ناواقف، ناکردہ، نااہل، نادان، نادہندہ اور ناراض وغیرہ۔

''نہ'' اور نہیں کا استعمال:۔

دونوں حروفِ نفی ہیں لیکن ''نہ'' جزوًا جب کہ ''نہیں'' میں تکمیلی اثر پایا جاتا ہے۔ جیسے:

''اکبر نہ لکھے۔''

اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے اکبر کو لکھنے سے روکا گیا ہے لیکن اثی لحاظ سے جزوی طور پر منع کیا گیا ہے؛ بعد میں اگر لکھنا چاہے تو لکھ سکتا ہے۔

''اسلم نہیں آیا۔''

اس مثال میں اسلم کے نہ آنے کا مکمل طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اردو میں ''نہ'' اور ''نہیں'' کا استعمال مختلف صورتوں میں کیا جاتا ہے۔

نہ آؤ! (حکم یا گزارش)۔

نہ سمجھے۔ (فعل مضارع)۔

نہیں سمجھے (فعل ماضی مطلق)

اس نے نہیں دیکھا۔ (فعل ماضی مطلق) لیکن شعراء نے شعری ضرورت کے تحت ''نہ'' کا بھی اِسی زمانے کے لیے استعمال کیا ہے۔ مثلًا

وہ تھا جلوہ آرا، مگر تم نے موسٰی!

نہ دیکھا، نہ دیکھا، نہ دیکھا، نہ دیکھا۔ (داغ دہلوی)

بعض اوقات فعل ماضی قریب اور فعل مستقبل (ایک ساتھ) میں بھی ''نہ'' استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے: وہ ''نہ'' آیا ہے، نہ آئے گا وغیرہ۔

حرفِ نفی ''نہیں'' کا استعمال، فعل حال مطلق، فعل ماضی اور فعل مستقبل میں۔

وہ نہیں آتا یا وہ نہیں آتا ہے۔ (فعل حال)

وہ نہیں آرہا ہے۔ (فعل حال استمراری یا ناتمام)

وہ نہیں آیا۔ (فعل ماضی مطلق)

وہ نہیں آیا ہے۔ (فعل ماضی قریب)

وہ نہیں آرہا تھا۔ (فعل ماضی استمراری یا ناتمام)

وہ نہیں آیا ہوگا۔ (فعل ماضی شکیہ)

وہ نہیں آئے گا۔ (فعل مستقبل)

فعل مستقبل کے لیے اگر ''وہ نہ آئے گا'' استعمال کریں تو معنوی لحاظ سے تو درست ہوگا البتہ بلاغت نہ رہے گی۔ یاد رہے کہ ''نہ'' حرفِ نفی کے علاوہ حرفِ عطف کا بھی کام دیتا ہے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ بعض اوقات ''نہ'' کی جگہ "نا" کا استعمال کیا جاتا ہے جو غلط ہے۔ مثلاً

1- ناجانے اب کون آئے گا؟

2- نہ میں نے کھانا کھایا اور ناہی پانی پیا۔

شمار 1 میں درست ''نجانے'' ہے جو نہ اور جانے کا مرکب ہے۔

نجانے اب کون آئے گا؟

شمار 2 میں ''ناہی پیا'' میں حرفِ نفی ''نہ'' آنا چاہیے۔

نہ میں نے کھانا کھایا اور نہ پانی پیا۔

''ناں''کااستعمال:

''ناں'' یہ در حقیقت حرفِ نفی ''نہ'' ہے جس کی ادائی بطور حرفِ تاکید ''ناں'' کے طور پر بھی مستعمل ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بات زور دے کر یا تاکید کے ساتھ کہی جائے اس صورت میں اس کا انکار یا عطف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جیسے :

آیئے ! میرے ساتھ چلیے ناں۔

آج کا دن آرام کے ساتھ گزراناں۔

دیکھیے ناں ! وہ شرارت کرتا ہے۔

یاد رہے ! ''ناں'' کا استعمال دوسروں کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔ یہ در حقیقت ''نہ'' ہی ہے جس کی ادائی مع نون غنہ کی جاتی ہے۔

آسی ضیائی اپنے مضمون ''اصلاحِ زبان'' میں کہتے ہیں کہ بعض اوقات ہاں کے مقابل یا ساتھ ہم قافیہ بنا کر ''نہ'' کو ناں لکھا جاتا ہے ۔ جیسے : ''تم نے میری بات کا ہاں ناں میں جواب نہیں دیا۔''

''میں نے کبھی تمھاری کسی خواہش پر ہاں سے ناں نہیں کی۔'' (سیارہ ڈائجسٹ دسمبر 1982ء)

بہتر تو یہی ہے کہ ''ناں'' اپنے اصل املاء ''نہ'' ہی میں لکھا جائے جو کہ فصیح ہے۔

''مت''کااستعمال:

حرفِ نفی ''مت'' کا استعمال تاکید کے طور پر کیا جاتا ہے۔ جیسے :

1-وہ نہ آئے۔

2-وہ مت آئے۔

شمار 1 میں سادہ طور پر آنے سے روکا گیا ہے آگے رکنے والا اگر آنا چاہے تو اس کی مرضی۔

شمار 2 میں سختی یا تاکیداً روکا گیا ہے۔ اس طرح آنے والا نہیں آسکتا۔

اہل بیت کون۔؟

ڈاکٹر محمد عثمان غنی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسیاں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین نواسیاں ہیں:

1۔سیدہ زینب بنت علی المرتضیٰ

یہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی ہیں، ان کا نکاح اپنے چچازاد حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے ہوا، یہ اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدانِ کربلا میں تھیں، تمام مصائب نہایت صبر واستقلال سے برداشت کیے، ان کے بیٹے حضرت عدی بھی میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔

2۔سیدہ ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ

حضرت فاطمہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی لختِ جگر ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئیں۔

ان کا نکاح حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ہوا، چالیس ہزار درہم حق مہر مقرر ہوا، اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دامادِ علیؓ کہا جاتا ہے، ان کے بطن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو بچے ہوئے، زید اکبر اور رقیہ۔

سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے زید کا انتقال ایک وقت میں ہوا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ کی امامت کے لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آگے کیا۔

3۔ سیدہ اُمامہ بنت ابی العاص

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت ابو العاص لقلیط بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیدا ہوئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت محبت کرتے تھے، ان کو کندھوں پر سوار کر کے نماز ادا فرماتے تھے، جب سجدہ کرتے تو اُتار دیتے، قیام میں پھر اُٹھا لیتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہار بطور ہدیہ آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میرے گھر والوں میں جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو گا، میں اسے یہ ہار دوں گا، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا خیال تھا کہ یہ ہار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئے گا، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاڈلی نواسی سیدہ اُمامہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر اپنے دستِ مبارک سے وہ ہار اُن کے گلے میں ڈال دیا۔ سیدہ امامہؓ کی آنکھ میں کچھ لگا ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اسے صاف کیا۔ نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدمت میں چاندی کی انگوٹھی بھیجی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انگوٹھی سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ (الاصابہ، الاستیعاب)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا واحد اولادِ پیغمبر ﷺ ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کا اخیر زمانہ پایا۔ ان کی باقی بہنوں کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔

نماز کی اہمیت اور اس کے روحانی فوائد

مولانا محمد سہیل نواز عثمانی

نماز اسلامی عبادات میں سب سے اہم عبادت ہے جو روزانہ پانچ بار مسلمان پر فرض کی گئی ہے۔ نماز نہ صرف جسمانی عبادت ہے بلکہ یہ روحانی طور پر بھی انسان کو پاکیزگی، سکون اور اطمینان فراہم کرتی ہے۔ قرآن اور حدیث میں نماز کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، اور یہ دین اسلام کا ستون ہے۔

نماز کی اہمیت:

نماز کے ذریعے انسان اپنے رب کے قریب ہوتا ہے اور اس کی رضا کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

"یقیناً نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔" (النساء: 103)

یہ آیت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس کی اہمیت کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

نماز اور اللہ سے تعلق:

نماز کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ انسان کے اور اللہ کے درمیان تعلق کو مضبوط کرتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے بات کرتا ہے، اور جب وہ سجدے میں ہوتا ہے، اللہ اس سے قریب ہوتا ہے۔" (صحیح مسلم)

یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ نماز انسان کو اللہ سے قریب کر دیتی ہے اور یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے ذریعے انسان اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نماز انسان کے دل میں خشوع و خضوع پیدا کرتی ہے اور اس کے روحانی مقام کو بلند کرتی ہے۔

نماز اور دنیا و آخرت کی کامیابی:

نماز کے روحانی فوائد نہ صرف دنیا میں انسان کو سکون اور اطمینان دیتی ہے بلکہ یہ آخرت میں بھی کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے نماز کو خوشی سے ادا کیا، قیامت کے دن اللہ کے نور کے ساتھ ہوگا۔" (مسند احمد)

یہ حدیث اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ نماز صرف دنیاوی فوائد کا ہی سبب نہیں ہے بلکہ قیامت کے دن بھی یہ انسان کے لیے نجات کا باعث بنے گی۔ اس کے ذریعے انسان اللہ کی رضا کی کوشش کرتا ہے اور اپنے اعمال کو درست کرتا ہے۔

نماز اور نیکیوں کا دروازہ:

نماز نہ صرف انسان کو روحانی سکون فراہم کرتی ہے، بلکہ یہ نیکیوں کا دروازہ بھی ہے۔ ہر نماز میں انسان اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہے اور اللہ سے ہدایت کی دعا کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نماز بندہ اور اس کے رب کے درمیان فرق ہے۔" (صحیح مسلم)

یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ نماز انسان کو اللہ سے قریب کرتی ہے اور اس کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتی ہے۔

نماز کا روحانی فائدہ اور سکون:

نماز ایک ایسی عبادت ہے جو انسان کو روحانی سکون فراہم کرتی ہے۔ جب انسان اپنے رب کے سامنے جھکتا ہے، تو وہ دنیاوی پریشانیوں اور غموں سے دور ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔" (العنکبوت: 45)

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نماز انسان کو اخلاقی گراوٹ اور برائیوں سے بچاتی ہے اور اسے اخلاقی سطح پر بلند کرتی ہے۔ ایک مسلمان جب باقاعدگی سے نماز پڑھتا ہے تو اس کے دل میں سکون آتا ہے اور وہ اپنے دلی اضطراب سے چھٹکارا پاتا ہے۔

نماز اور سچائی کا رشتہ:

نماز انسان کو سچائی اور دیانتداری کی طرف راغب کرتی ہے۔ جب انسان پانچ بار اپنے رب کے سامنے سجدہ کرتا ہے تو وہ اپنے دل کی صفائی کرتا ہے اور جھوٹ یا فریب سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نماز وہ چیز ہے جو انسان کو برائیوں اور فساد سے بچاتی ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث 223)

نماز اور بندہ کا قرب:

نماز انسان کو اللہ سے قریب کرتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب بندہ نماز پڑھتا ہے، تو وہ اپنے رب کے ساتھ بات کرتا ہے۔" (صحیح مسلم)

یہ حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ نماز صرف عبادت نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ ایک ذاتی تعلق قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔ نماز میں ہر رکعت اور ہر سجدے میں انسان اپنے رب کے سامنے اپنی ضروریات پیش کرتا ہے اور اللہ سے قرب حاصل کرتا ہے۔

نماز کا فرد اور معاشرت پر اثر:

نماز کا فرد اور پورے معاشرے پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ اگر فرد نماز کو اہمیت دے گا اور اس کی پابندی کرے گا، تو اس کے اخلاق اور اعمال میں بہتری آئے گی، جو کہ پورے معاشرتی نظام کو بھی متاثر کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نماز انسان کو برائیوں سے بچاتی ہے اور اس کے دل کو زندہ کرتی ہے۔" (حاکم، المستدرک)

نماز ایک مکمل عبادت ہے جو انسان کی روحانیت اور معاشرت کو بہتر بناتی ہے۔ اس کے ذریعے انسان اپنے رب کے ساتھ تعلق مضبوط کرتا ہے، اپنی زندگی کی مشکلات سے نکلتا ہے اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہوتا ہے۔

اخلاق ایمان کا جز

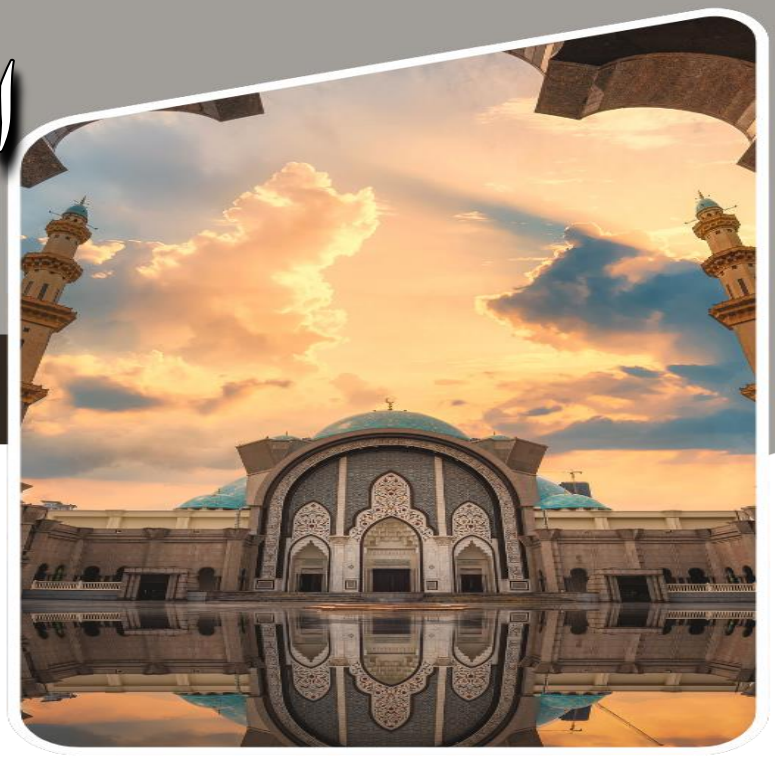

محمد حفص فاروقی

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جو فرد کی اصلاح اور معاشرتی فلاح کے لئے ہر پہلو کو شامل کرتا ہے۔ اخلاقی قدریں اسلام کا ایک بنیادی حصہ ہیں، اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اسلامی اخلاقیات نہ صرف فرد کی زندگی کو بہتر بناتی ہیں بلکہ ایک خوشحال اور پرامن معاشرہ قائم کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

اسلامی اخلاق کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اخلاق کی بہت اہمیت بیان کی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اخلاق کا بہترین نمونہ قرار دیا ہے:

''يَقْرَأُونَ بِهِ الْكِتَابَ وَيَعْمَلُونَ بِهِ وَيُعَلِّمُونَ النَّاسَ'' (الآعراف: 157)

"وہ کتاب کو پڑھتے ہیں، اس پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتے ہیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا۔'' (صحیح مسلم)

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اخلاقی اقدار اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بہترین مثال پیش کی ہے۔

اسلامی اخلاقیات کی بنیاد:

اسلامی اخلاقیات کی بنیاد توحید، ایمان، صداقت، شجاعت، معاف کرنے کی عادت، اور عدل وانصاف پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

"اور تمہیں بہترین اخلاق سکھانے والا نبی تمہارے درمیان ہے۔" (آل عمران: 164)

یہ آیت بتاتی ہے کہ بہترین اخلاق انسان کی فلاح اور کامیابی کی کلید ہیں۔

اسلامی اخلاقی اصول:

اسلامی اخلاقی اصول میں سچائی، عدل، احسان، تحمل، عاجزی، اور محبت شامل ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سب سے بہتر تم میں سے وہ ہے جو سب سے زیادہ اچھا اخلاق رکھتا ہو۔" (صحیح مسلم)

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ اخلاق اسلام کا ایک مرکزی جزو ہے اور اس کے بغیر دین کی تکمیل ممکن نہیں۔

اسلامی اخلاق کی اساس:

اسلامی اخلاق کی بنیاد اللہ کے حقوق، اس کے پیغمبروں کی تعلیمات اور قرآن وسنت کی ہدایات پر ہے۔ اسلام میں حقیقت اور صداقت پر زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اور سچائی کے ساتھ رہو، کیونکہ سچائی ہی تمہیں جنت کی طرف لے جائے گی۔" (صحیح مسلم)

اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے سچائی کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور اسے جنت کی راہ کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

اسلام میں سچائی اور معافی کی اہمیت:

اسلامی اخلاق میں سچائی اور معافی کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جو شخص اپنے بھائی کو معاف کرتا ہے، اللہ بھی اسے معاف کرتا ہے۔" (صحیح مسلم)

اسلام میں معافی ایک بہت بڑی روحانی خصوصیت ہے جو انسان کی شخصیت کو بلند کرتی ہے اور اس کے دل میں انسانیت کی محبت پیدا کرتی ہے۔

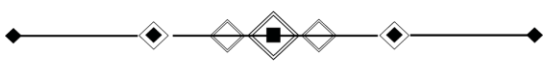

اسلامی اخلاق اور انصاف کا رشتہ:

اسلامی اخلاق کا ایک اہم جزو انصاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"انصاف وہ روشنی ہے جس سے انسان اپنے راستے کو پہچانتا ہے۔" (مستدرک حاکم)

اسلام میں انصاف کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے، اور اس پر عمل کرنے سے معاشرت میں فلاح آتی ہے۔

معاشرتی اخلاق کی اہمیت:

اسلام میں ایک مسلمان کو اپنے پڑوسی، دوست، اہل و عیال اور سب سے بڑھ کر پورے معاشرتی نظام سے حسن سلوک کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جس کا اخلاق اچھا ہوتا ہے، اس کے دل میں نور اور ایمان کا عہدہ ہوتا ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث 2321)

اسلامی اخلاق نہ صرف فرد کی زندگی کو بہتر بناتے ہیں بلکہ پورے معاشرتی نظام کو بھی استحکام دیتے ہیں۔ ایک مسلمان جب اچھے اخلاق پر عمل کرتا ہے تو وہ نہ صرف اپنے ساتھ بلکہ اپنے اہل و عیال اور پڑوسیوں کے ساتھ بھی اچھے تعلقات قائم کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اخلاق اچھے انسان کی نشانی ہیں، اور بد اخلاقی انسان کی برائی کا باعث ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث 2321)

اخلاق اسلامی کی بنیاد ہے اور معاشرتی فلاح کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اسلامی اخلاق نہ صرف فرد کی فلاح کے لیے ضروری ہیں بلکہ پورے معاشرتی نظام کی ترقی کے لیے بھی اہم ہیں۔ ان اخلاقیات پر عمل کر کے ہم نہ صرف اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں بلکہ پورے معاشرتی نظام میں امن اور سکون بھی لا سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے اخلاقی رویوں کو بہتر بنانا ہو گا تاکہ ہم ایک مثالی معاشرہ قائم کر سکیں۔

محترمہ طاہرہ فاطمہ صاحبہ

آگ

آگ کے لیے قرآن کریم میں نار اور لظی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

نار کا لفظ عام ہے۔آگ چاہے بھڑک رہی ہو، تیزی میں ہو یا بجھنے والی ہو، اس میں شعلہ ہو یا نہ ہو سب پر لفظ نار کا اطلاق ہوتا ہے جبکہ لظی ایسی شدید گرم اور بھڑکنے والی آگ کو کہتے ہیں جس میں شعلہ نہ ہو (الخالص من اللہب ف ل ۵۶) قرآن میں ہے:

كَلَّآ اِنَّهَا لَظٰىۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۖ (سورة معارج آیت 15، 16)

ایسا ہر گز نہ ہو گا، بے شک وہ شعلہ زن آگ ہے۔ سر اور تمام اعضائے بدن کی کھال اتار دینے والی ہے

آگ کا انگارہ

اس کے لیے شہاب، جذوۃ اور قبس کے الفاظ آئے ہیں۔

1:شہاب

ایسے انگارہ کو کہتے ہیں جس میں چمک اور شعلہ موجود ہو، خواہ وہ آگ کا ہو یا فضا میں پایا جائے (مف) اور اس کی جمع شہب آتی ہے۔

قرآن میں ہے:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا (سورة الجن آيت 8)

اور یہ کہ ہم نے آسمانوں کو چھوا، اور انہیں سخت پہرہ داروں اور (انگاروں کی طرح) جلنے اور چمکنے والے ستاروں سے بھرا ہوا پایا۔

2:جذوة

ایسا انگارہ جس میں چمک ختم ہو چکی ہو اور اوپر راکھ آگئی ہو (مف) قرآن میں ہے:

اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ (سورة القصص آيت 29)

مجھے آگ نظر آئی ہے شاید میں وہاں سے رستے کا کچھ پتہ لاؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں

3:قبس

مانگا ہوا آگ کا انگارہ یا شعلہ۔ تفصیل آگ جلانا میں دیکھیے۔

ماحصل:

شہاب: شعلہ والا چمکتا ہوا انگارہ

جذوة: ایسا انگارہ جس پر راکھ آرہی ہو اور چمک ختم ہو گئی ہو۔

قبس: مانگا ہوا آگ کا انگارہ یا شعلہ۔

آگ کا جلنا۔جلانا

اس کے لیے قرآن کریم میں قدح، اوری (وری)، استوقد اور اوقد، قبس، سعر، سجر اور تلظی کے الفاظ آئے ہیں۔

1:قدح

قدح بالزند بمعنی چقماق سے آگ نکالنے کا ارادہ کرنا(منجد) گویا قدح کا لفظ صرف آگ نکالنے کی کوشش اور ارادہ تک محدود ہے۔

2:اوری(وری)

وری الزند محاورہ ہے یعنی چقماق سے آگ کا شعلہ نکالنا(مف)اور وری یری کے معنی آگ کا شعلہ برآمد ہونا(ف ل ۲۸۸) چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت:

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا (سورة العاديات آيت 2)

پھر جو پتھروں پر سُم مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں

میں قدح سے مراد پتھر پر نعل مارنا کہ اس سے شعلہ پیدا ہوا اور اری سے مراد شعلہ پیدا ہونا ہے۔

بعد ازاں لفظ اوری آگ جلانے کے معنوں میں عام استعمال ہونے لگا۔ خواہ وہ نباتاتی ایندھن سے ہو یا کسی دوسری چیز سے۔ قرآن میں ہے:

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ (سورة الوقعة آيت 71،72)

بھلا یہ بتاؤ جو آگ تم سُلگاتے ہو۔ کیا اِس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم (اسے) پیدا فرمانے والے ہیں۔

3:اوقد

وقد بمعنی آگ کا بھڑک اٹھنا(منجد) ابن فارس نے اس کے معنی کلمہ بدل علی اشتعال النار بیان کیے ہیں(م ل)

اور اوقد آگ جلانے کے معنی میں آتا ہے جبکہ اس میں شعلے پیدا ہونے لگیں۔ جیسے

فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا (سورة القصص آيت 38)

اے ہامان! میرے لئے گارے کو آگ لگا (کر کچھ اینٹیں پکا) دے، پھر میرے لئے (ان سے) ایک اونچی عمارت تیار کر

اُوقد کا استعمال معنوی طور پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے:

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (سورة المائدة آيت 64)

جب کبھی انہوں نے لڑائی کی آگ جلائی اللہ نے اسکو بجھا دیا۔

اور استوقد کے معنی ایندھن وغیرہ اٹھا کر کے بہ تکلف آگ یا چراغ روشن کرنے کے ہیں (مف) ارشاد باری ہے:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِىْ اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ (سورة البقرة آيت 17)

انکی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے شب تاریک میں آگ جلائی۔ جب آگ نے اسکے ارد گرد کی چیزیں روشن کیں تو اللہ نے ان لوگوں کی روشنی زائل کر دی اور انکو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے۔

4:قبس

بمعنی آگ کی چنگاری جو شعلہ سے لی جائے (مف) اور بمعنی آگ کو بصورت شعلہ لینا اور قبس بمعنی آگ کا وہ شعلہ جو بڑی آگ سے لیا جائے۔ اور قابس بمعنی آگ کا طالب اور قبسہ النار بمعنی کسی کے واسطے آگ لانا اور اقبس فلانا یعنی کسی کو آگ دینا (منجد) ارشاد باری ہے:

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى (سورة طه آيت 10)

جب موسٰی (علیہ السلام) نے (مدین سے واپس مصر آتے ہوئے) ایک آگ دیکھی تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم یہاں ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے (یا میں نے ایک آگ میں انس و محبت کا شعلہ پایا ہے) شاید میں اس میں سے کوئی چنگاری تمہارے لئے (بھی) لے آؤں یا میں اس آگ پر (سے وہ) رہنمائی پالوں (جس کی تلاش میں سرگرداں ہوں)

اس آیت میں قبس کا لفظ جذوۃ من النار کے عوض آیا ہے اور مانگی ہوئی آگ کے لیے بھی۔

پھر قبس کا لفظ آگ کے علاوہ آگ سے آگ جلانے، بڑی روشنی سے روشنی حاصل کرنے اور بڑے علم والے سے علم حاصل کرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ قبس العلم یعنی علم حاصل کرنا۔ علم سے فائدہ اٹھانا اور اقتباس منہ النار والنور والعلم بمعنی کسی سے آگ، روشنی یا علم حاصل کرنا (منجد) ارشاد باری ہے:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ (سورة الحديد آيت 13)

جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: ذرا ہم پر (بھی) نظرِ (التفات) کر دو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔

اور ہمارے ہاں جو اقتباس کا لفظ مستعمل ہے تو اس کا معنی کسی کی علمی تحریر یا کتاب سے کوئی حصہ یا ٹکڑا لینا اور اس کو پیش کرنا ہے۔

5:سعّر

سعر کا معنی آگ کا جلنا بھڑکنا اور بند ہونا ہے (م ل) گویا یہ وقد سے اگلا درجہ ہے۔ اور سعر بمعنی آگ کو خوب بھڑکانا (منجد) اور سعیر بمعنی بھڑکتی ہوئی آگ۔ قرآن کریم میں ہے:

وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ (سورة التكوير آيت 12)

اور جب دوزخ (کی آگ) بھڑکائی جائے گی۔

6:سجّر

سجّر میں کسی چیز کے بھرے ہوئے ہونے اور اس میں مخالطت یا تلاطم کا مفہوم پایا جاتا ہے (م ل) سجّر النور کے معنی تنور کو ایندھن سے بھر کر گرم کرنا (منجد) تاکہ آگ پوری شدت سے بھڑک سکے۔ نیز سجر بادل کی گرج اور رعد کی آواز کو بھی کہتے ہیں (منجد) قرآن کریم کے الفاظ

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ (سورة الطور آيت 6)

اور اُبلتے ہوئے سمندر کی قسم۔

سے مراد ہے کہ سمندر بھرا ہوا بھی ہو اور جوش تلاطم سے ابل بھی رہا ہو اور سجور اس ایندھن کو کہتے ہیں جس سے تنور گرم کیا جائے (منجد) گویا ہر وہ چیز جو آگ میں شدت پیدا کرنے کے لیے تنور میں جھونک دی جائے وہ سجور ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ (سورة مؤمن آيت 72)

کھولتے ہوئے پانی میں، پھر آگ میں (ایندھن کے طور پر) جھونک دیئے جائیں گے۔

7: تلظی

لظی میں ایسی آگ جو بھڑک رہی ہو مگر اس میں شعلہ نہ ہو (ف ل 56) اور لظی النار بمعنی آگ بھڑکانا اور تلظی بمعنی آگ کا بھڑک اٹھنا۔ قرآن میں ہے:

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰىۚ (سورة الليل آيت 14)

سو میں نے تمہیں (دوزخ کی) آگ سے ڈرا دیا ہے جو بھڑک رہی ہے۔

ماحصل:

قدح: آگ نکالنے کی ابتدائی کوشش

اوری: شعلہ پیدا کرنا

اوقد: ایندھن سے آگ جلانا

قبس: آگ سے آگ جلانا

سعر: آگ کا بھڑکانا

سجّر: اس بھڑک میں شدت پیدا کرنا

تلظی: جب آگ میں بھڑک ہی بھڑک ہو شعلہ نہ ہو۔

آگ کا دوسری چیزوں کو جلانا

اس کے لیے لوّح، لفح، شوی، صہر، نضج، حرّق اور احترق کے الفاظ آئے ہیں۔

1:لوّح

لاح سے مراد فقط جلد کی سیاہی مائل رنگت کی تبدیلی ہونا ہے خواہ یہ آگ سے ہو یا حرارت سے، دھوپ کے ہو یا پیاس یا سفر سے (منجد) یعنی آگ یا حرارت کا کسی کو چھونا کہ اس سے رنگت سیاہی مائل ہو جائے اور لوّح کے معنی آگ سے کسی چیز کو گرم کرنا ہے (منجد) قرآن میں ہے،

لَـوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (سورة مدثر آیت 29)

(وہ) جسمانی کھال کو جھلسا کر سیاہ کر دینے والی ہے

2:لفح

لفح کے معنی آگ یا باد سموم کا چہرے یا جلد کو جھلس دینا (مف، منجد) ہے۔ جس سے حلیہ بگڑ جائے

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ (سورة المؤمنون آیت 104)

آگ انکے چہروں کو جھلس دے گی اور وہ اس میں بد شکل ہو رہے ہوں گے۔

3:شوی

شوی (یشوی) آگ میں (گوشت کو) بھوننا اور بھنے ہوئے گوشت کو شواء کہتے ہیں (منجد) (یہ تیسرا درجہ ہوا) قرآن میں ہے:

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِىْ الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا (سورة الکہف آیت 29)

اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے کھولتے ہوئے پانی سے انکی دادرسی کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح گرم ہو گا اور جو انکے چہروں کو بھون ڈالے گا انکے پینے کا پانی بھی برا اور آرام گاہ بھی بری۔

4:صہر

الصّہر بمعنی چربی وغیرہ کو گرم کر کے پگھلانا اور صہارۃ بمعنی پگھلائی ہوئی چیز۔ چربی کا ٹکڑا، ہڈی کا گودا اور صہور بمعنی پگھلانے والا، گوشت بھوننے والا (مف منجد) گویا صہر میں اتنی حرارت درکار ہے کہ جو پگھلنے والی اشیا بالخصوص چربی کے پگھلانے کے لیے اور گوشت کے گلنے کے لیے درکار ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

يُّصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِيۡمُ ۚ يُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ وَالۡجُلُوۡدُ ؕ (سورة الحج آیت 19،20)

ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا جس سے ان کے شکموں میں جو کچھ ہے پگھل جائے گا اور (ان کی) کھالیں بھی

5: نضج:

شدت حرارت سے گوشت کا گل جانا (مف) اس طرح کہ اس اجزاء الگ ہونے لگیں۔ (یہ چوتھا درجہ ہوا) قرآن میں ہے:

سَوۡفَ نُصۡلِيۡهِمۡ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَيۡرَهَا لِيَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ ؕ (سورة النساء آیت 56)

ان کو ہم عنقریب آگ میں داخل کریں گے۔ جب کبھی ان کی کھالیں گل جائیں گی تو ہم انکو اور کھالیں بدل کر دیں گے تاکہ ہمیشہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔ بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

6: حرّق

حرق اور حرّق (بالنار) آگ کا جلاڈالنا اور احترق بمعنی اس چیز کا جل کر راکھ ہو جانا ہے (مف) یہ گویا آخری درجہ ہوا۔ قرآن میں ہے:

قَالُوۡا حَرِّقُوۡهُ وَانۡصُرُوۡۤا اٰلِهَتَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ (سورة الانبياء آیت 68)

وہ بولے: اس کو جلادو اور اپنے (تباہ حال) معبودوں کی مدد کرو اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو

دوسرے مقام پر ہے

فَاَصَابَهَاۤ اِعۡصَارٌ فِيۡهِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ (سورة البقرة آیت 266)

اس باغ پر ایک بگولا آجائے جس میں آگ ہو اور وہ باغ جل کر راکھ ہو جائے۔

آگ کا بجھنا اور بجھانا

اس کے لیے خمد اور خبا (خبو) اور طفا (طفا) کے الفاظ آئے ہیں۔

1:خمد

آگ کے مدہم پڑ جانے کو کہتے ہیں جس سے شعلہ ختم ہو چکا ہو مگر انگارہ نہ بجھا ہو۔اور خمرَتِ الُحمّی کے معنی بخار کا زور ٹوٹ جانا اور خمود کو ئلہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور بطور کنایہ موت کے معنی میں بھی (مف،م-ق) ارشاد باری ہے:

اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ (سورة يس آيت 29)

(ان کا عذاب) ایک سخت چنگھاڑ کے سوا اور کچھ نہ تھا، بس وہ اُسی دم (مر کر کوئلے کی طرح) بُجھ گئے۔

2:خبا

یعنی آگ کا شعلہ افسردہ ہو جانا اور کو ئلہ یا انگارہ پر راکھ کا پردہ چڑھ جانا۔(مف) ارشاد باری ہے

اَلَّا يَسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِىۡ يُخۡرِجُ الۡخَبۡءَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَيَعۡلَمُ مَا تُخۡفُوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ (سورة النمل آيت 25)

اور نہیں سمجھتے ہیں کہ اللہ کو جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا اور تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے کیوں سجدہ نہ کریں۔

3:اطفا

طفا یعنی آگ کا بالکل بجھ جانا، سرد پڑ جانا اور اطفا بھی آگ کو بجھا دینا۔ پھونک مار کر چراغ کو گل کر دینا (مف، منجد) پھر اس لفظ کا استعمال مادی اور معنوی دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔ جیسے اطفا الُفِتۡنَۃَ او الحرب بمعنی فتنہ کو یا لڑائی کو بجھا دیا۔ ٹھنڈا کر دیا (منجد) ارشاد باری ہے:

يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّطۡفِـئُوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ (سورة التوبہ آيت 32)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔

ماحصل:

خمد: آگ کا شعلہ ختم ہونا

خبا: شعلہ کا ختم ہونا اور انگارہ پر راکھ کا پردہ آجانا۔ یہ درمیانی صورت ہے۔

طفا: آگ کا بالکل بجھ جانا

ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضؓ

محترمہ زنیرہ عقیل صاحبہ

نام ونسب:

آپ کا پیدائشی نام برّہ تھا، جسے آپ ﷺ نے تبدیل فرما کر جویریہؓ رکھا۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے: برّہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ بن سعد بن عرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیاء۔(الاصابہ،ابن حجر، جلد 8، صفحہ 126)

ولادت:

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے تقریباً 2 سال قبل پیدا ہوئیں۔(سیر اعلام النبلاء،امام ذہبی، جلد 2، صفحہ 220)

خاندانی پس منظر:

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا تعلق قبیلہ بنو مصطلق سے ہے۔ قبیلہ بنی خزاعہ کی ایک شاخ کا نام بنو مصطلق تھا، جو خزیمہ ابن سعد ابن عمر کی اولاد سے ہے۔ خزیمہ کا لقب ''مصطلق'' تھا۔(الطبقات الکبری،ابن سعد، جلد 8، صفحہ 115)

پہلا نکاح:

جب سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بالغ ہوئیں تو آپ کے والدین کو آپ کی شادی کی فکر لاحق ہوئی۔ صفوان بن ابی شفر بن سرح بن مالک بن جذیمہ ایک دن ان کے گھر آئے۔ صفوان اور حارث دونوں قریبی رشتہ بھی تھے۔ صفوان کے دادا سرح اور حارث کے پردادا عائذ دونوں مالک بن جذیمہ کے بیٹے تھے۔

صفوان بن ابی الشفر نے حارث سے کہا کہ برہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بارے پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ میں خود اپنے بیٹے مسافع کے لیے آپ سے برّہ کا ہاتھ مانگنے آیا ہوں۔ چنانچہ یہ شادی طے ہو گئی اور آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح مسافع کے ساتھ ہو گیا۔ (الاصابہ، ابن حجر، جلد 8، صفحہ 127)

یثرب کا چاند گود میں:

انہی دنوں سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو ایک عجیب خواب آیا۔ آپ کیا دیکھتی ہیں کہ یثرب مدینہ منورہ سے چاند چلتا ہوا ان کی گود میں اترتا ہے۔ خواب چونکہ بہت عجیب و غریب تھا اس وجہ سے آپ کی اسی وقت بیدار ہوئیں اور اس کی تعبیر سوچنے لگیں۔ لیکن اس خواب کا کسی سے حتیٰ کہ اپنے شوہر مسافع سے بھی ذکر نہیں کیا۔ کچھ دنوں بعد جب آپ کا نکاح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا تو آپ نے اپنے خواب کی تعبیر پالی۔ (سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی، جلد 2، صفحہ 221)

قبولِ اسلام:

غزوہ مرَیسیع جب قیدی قید کیے گئے ان قیدیوں میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی برہ بھی موجود تھیں۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جویریہؓ بنت حارث؛ سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ یا ان کے چچازاد کے حصے میں آئی۔ چنانچہ جویریہؓ نے اپنے بارے میں مکاتبت کر لی۔ (صحیح مسلم، حدیث 7142؛ الطبقات الکبری، ابن سعد، جلد 8، صفحہ 116)

نوٹ: مکاتب اس غلام اور مکاتبہ اس لونڈی کو کہتے ہیں جو اپنے مالک سے یہ طے کر لے کہ وہ ایک مقررہ رقم مالک کو ادا کر کے آزاد ہو جائے گا/ہو جائے گی (سنن ابی داود، کتاب العتق، باب فی المکاتب)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جویریہؓ حسن صورت کی مالک خاتون تھی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی کہ اپنی مکاتبت ادائیگی رقم سے مشروط آزادی کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پاس آئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے دیکھا کہ جویریہؓ دروازے پر کھڑی ہوئی تھیں جویریہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حارث کی بیٹی جویریہؓ ہوں، میرا

معاملہ آپ سے مخفی نہیں ہے (کہ جنگی قیدی ہوں) میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصے میں آئی ہوں۔ میں نے ان سے اپنے بارے مکاتبت کر لی ہے۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئی ہوں کہ آپ ﷺ اس بارے میرے ساتھ تعاون فرمائیں۔ (صحیح مسلم، حدیث 7142؛ سیر اعلام النبلاء، جلد 2، صفحہ 221)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم اس سے بہتر معاملہ پسند نہیں کرتی ہو؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہاری طرف سے تمہاری رقم ادا کر دیتا ہوں اور آپ سے شادی کر لیتا ہوں۔''

انہوں نے کہا: میں راضی ہوں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت اسلام قبول فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی، جلد 2، صفحہ 221)

حضرت جویریہؓ ام المومنین بنتی ہیں:۔

قبول اسلام کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے رقم ادا کی، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ازواج مطہرات میں شامل فرما کر ''ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا'' بنا دیا۔ اور حق مہر کے طور پر ان کے قبیلے کے 40 غلام آزاد فرمائے۔ (الطبقات الکبری، ابن سعد، جلد 8، صفحہ 117؛ صحیح مسلم، حدیث 7142)

حارث بن ابی ضرار کا سفر مدینہ:

آپ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار کو کسی نے یہ اطلاع دی کہ برہ کو قیدی بنا لیا گیا ہے۔ تو حارث بن ابی ضرار اپنی بیٹی کی رہائی کے لیے بہت سا مال و اسباب اونٹوں پر لاد کر مدینہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ ان اونٹوں میں دو اونٹ حارث کو بہت پسند تھے، چنانچہ دوران سفر انہوں نے وہ دو اونٹ مقام عقیق پر کسی گھاٹی میں باندھ دیے اور باقی مال و اسباب سے لدے ہوئے اونٹ لے کر مدینہ پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''میری بیٹی آپ کی قید میں ہے میں اس کی رہائی کے لیے یہ مال و اسباب لایا ہوں۔ یہ لے لیں اور میری بیٹی کو آزاد کر دیں۔'' (السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، جلد 2؛ دلائل النبوۃ، بیہقی، جلد 4)

حارث بن ابی ضرارؓ کا قبول اسلام:

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتلا دیا کہ حارث نے فلاں مقام پر دو اونٹ چھپا دیے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو اونٹ جو تم چھپا آئے ہو وہ کہاں ہیں؟'' حارث بن ابی ضرار نے یہ سنا تو حیران ہوا اسے یقین ہو گیا کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر وحی بھیجتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔(الاصابہ، ابن حجر، جلد 8، صفحہ 127؛ دلائل النبوۃ، بیہقی، جلد 4)

روایات میں آتا ہے کہ ام المومنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے گھر والے بھائی وغیرہ بھی دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے تھے۔ یہاں پہنچ کر حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ میری دختر جویریہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمالیا ہے اس پر آپ بے حد خوش ہوئے۔(سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی، جلد 2، صفحہ 222)

بابرکت شادی:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہ سے شادی فرمالی تو انہوں نے بنو مصطلق کے قیدیوں کو اس لیے آزاد کر دیا کہ یہ قبیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سسرالی رشتہ دار بن گیا ہے۔ چنانچہ محدثین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر بنو مصطلق کے سو خاندان آزادی کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔

اسی لیے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے ام المومنین بننے پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں": میں نے جویریہؓ سے بڑھ کر کسی عورت کو اپنے قبیلے کے لیے باعث رحمت نہیں پایا۔"(صحیح مسلم، حدیث 7142؛ الاستیعاب، ابن عبد البر، جلد 4، صفحہ 1787)

بیت نبی کی اہل بیت:

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے لئے دیگر امہات المومنین کے حجروں کے متصل مسجد نبوی کے قریب ہی ایک حجرہ تعمیر کرایا گیا تھا۔ اس کی دیواریں کچی اینٹوں کی اور چھت کھجوروں کی شاخوں سے بنائی گئی تھی جسے گارے سے لیپ دیا گیا تھا، دروازے پر اونی ٹاٹ کا پردہ تھا۔(الطبقات الکبری، ابن سعد، جلد 8، صفحہ 118)

چار کلمات کا ورد:

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد سیدھے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے باہر تشریف لائے تو اس وقت وہ اپنے مصلے پر بیٹھی مشغول عبادت تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر بعد دوبارہ ان کے پاس تشریف لائے تو ان کو بدستور مصلے پر بیٹھے مصروف عبادت پایا تو فرمایا: جب سے میں باہر گیا ہوں کیا تم اسی وقت سے اسی جگہ یونہی مصروف عبادت ہو؟

آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جس وقت سے تمہارے یہاں سے اٹھ کر گیا ہوں میں نے تین مرتبہ چار کلمے ایسے پڑھے ہیں اگر ان کا موازنہ آپ کی عبادت کے ساتھ کیا جائے تو وہ چار کلمات فضیلت کے اعتبار سے بڑھ جائیں۔

آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ مجھے بھی وہ کلمات سکھلا دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات بتانے کا مقصد یہ تھا کہ اپنے روزمرہ کے اذکار میں ان کلمات کو بھی شامل کر لیا جائے۔ (صحیح مسلم، حدیث 2726؛ مسند احمد، حدیث 19017)

وفات:

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے 65 سال کی عمر میں 50 ہجری ربیع الاول کے مہینے میں وفات پائی مدینہ منورہ کے حاکم مروان بن حکم رحمہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (الطبقات الکبری، ابن سعد، جلد 8، صفحہ 119؛ سیر اعلام النبلاء، جلد 2، صفحہ 223)

دعا اللہ کی رحمت کا دروازہ

انسان کی ضروریات کی تکمیل

محترمہ ام محمد صاحبہ

دعا اسلامی عبادات کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ انسان اور اللہ کے درمیان رابطے کا ایک ذریعہ ہے جس میں انسان اپنی تمام ضروریات اور خواہشات اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ دعا کے ذریعے انسان اللہ سے اپنی رہنمائی اور مدد مانگتا ہے۔

دعا اور اللہ کی رضا کا حصول:

دعا میں انسان اللہ کی رضا کی کوشش کرتا ہے اور اس کے ذریعے اپنی روحانیت کو بڑھاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دعا ایک ایسی عبادت ہے جو انسان کو اللہ کے قریب کرتی ہے۔" (ترمذی)

جب انسان دعا کرتا ہے تو وہ اللہ کی رحمت کا طلب گار ہوتا ہے اور اس کے دل میں اللہ کے لیے محبت اور خشوع بڑھتا ہے۔

دعا کی اہمیت:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دعا کی اہمیت پر کئی بار زور دیا ہے:

"اور تمہارا رب کہتا ہے، تم مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔" (غافر: 60)

دعا نہ صرف انسان کی ضرورت ہے بلکہ یہ اللہ کے قریب جانے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دعا عبادت کا مغز ہے۔" (ابن ماجہ)

دعااوراس کی روحانی اہمیت:

دعاانسان کے دل کو سکون دیتی ہے اور اس کے اندر اطمینان پیدا کرتی ہے۔ جب انسان اللہ سے دعا کرتا ہے تو وہ اپنی تمام پریشانیوں کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، اور یہ عمل اس کے دل کو تسلی بخشتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"دعا میں انسان کی تقدیر چھپی ہوتی ہے، اس میں انسان کی تقدیر بدل سکتی ہے۔" (مسند احمد، حدیث 17017)

دعااور ایمان کی پختگی:

دعا کا تعلق ایمان سے بھی ہے۔ جب انسان اللہ کی ذات پر مکمل ایمان رکھتا ہے، تو وہ دعاؤں میں یقین اور ایمان سے بھرپور ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"رب تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔" (غافر:60)

یہ آیت ہمیں دعا کی اہمیت اور اللہ کی قبولیت کی ضمانت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنی رحمت سے دعاؤں کو ضرور قبول کرے گا۔

دعااور تقدیر:

دعاانسان کی تقدیر کو بدلنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"دعا تقدیر کا رد کرتی ہے، اور تقدیر کو بدلنے کی طاقت رکھتی ہے۔" (مسند احمد)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ دعاانسان کی تقدیر میں تبدیلی لانے کا ذریعہ ہے، اور اس کے ذریعے انسان اپنی زندگی کی مشکلات اور پریشانیوں کا حل ڈھونڈ سکتا ہے۔

دعا کی حقیقت اور اس کے فوائد:

دعاانسان کے دل کو سکون دیتی ہے اور اسے یہ یقین دلاتی ہے کہ اللہ اس کی دعاؤں کا جواب دے گا، چاہے وہ فوراً ہو یا کچھ وقت بعد۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"دعا مومن کی طاقت ہے، اور جب مومن دعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو یا تو فوراً قبول کرتا ہے یا کسی پریشانی کو ٹالتا ہے یا قیامت کے دن اس کا بدلہ دیتا ہے۔" (صحیح مسلم)

دعا کا ہر لفظ انسان کو اللہ کی قربت میں لاتا ہے اور اس کے دل میں اللہ کی رضا کی تڑپ پیدا کرتا ہے۔

دعا کی قبولیت کے آداب:

دعا کرتے وقت انسان کو یقین ہونا چاہیے کہ اللہ اس کی دعا ضرور سنے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم دعا کرتے ہو، تو تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تمہاری دعا ضرور سن رہا ہے۔" (صحیح مسلم)

دعا کے وقت دل کا صاف ہونا، خشوع و خضوع، اور اللہ پر کامل بھروسہ ضروری ہے۔

دعا اور اجتماعی تعلق:

دعا کا تعلق نہ صرف فرد سے اللہ تک ہوتا ہے، بلکہ اس کا اثر معاشرت پر بھی پڑتا ہے۔ جب لوگ اجتماعی طور پر دعا کرتے ہیں، تو ان کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور اتحاد بڑھتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ دعا کرنے کی اہمیت پر زور دیا اور فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی کسی چیز کا سوال کرے، تو وہ جماعت کے ساتھ کرے، کیونکہ جماعت کی دعا قبول ہوتی ہے۔" (صحیح مسلم)

دعا کے ذریعے انسانی ضروریات کی تکمیل:

دعا انسان کی ضروریات کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق دعا قبول کرنے کی ضمانت دی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی دعا قبول کرتا ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث 2492)

دعا کا انسان کی روحانی ترقی پر اثر:

دعا انسان کی روحانیت کو بلند کرتی ہے اور اس کے دل میں اللہ کے لیے محبت اور ایمان کی پختگی پیدا کرتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"دعا کی طاقت انسان کی روحانیت کو تقویت دیتی ہے اور اس کی تقدیر میں تبدیلی لاتی ہے۔" (ابن ابی حاتم)

دعا ایک عظیم عبادت ہے جو انسان کو اللہ کے قریب کرتی ہے اور اس کی روحانیت کو تقویت دیتی ہے۔ دعا کی اہمیت کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا انسان کی زندگی میں سکون، کامیابی اور خوشحالی کا سبب بنتا ہے۔